قیمت چار روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی
اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

الجزائر میں اسلامی انقلاب کی تحریک
خونیں مرحلے میں داخل

اس شمارے میں

فلسطین اور الجزائر کے بعد اب

چیچنیا کے مجاہدین بھی خودکش دھماکوں کی راہ پر

AUSTRALIA .... A$3.50	DENMARK .... D. KR. 14.00	ITALY .... LIT. 3,000	NEW ZEALAND .... NZ$4.95	SRI LANKA .... Rs 40
BANGLADESH .... Taka 20	FRANCE .... Fr 10	JAPAN	NORWAY .... N. KR12.00	SWEDEN .... Kr 15
BELGIUM .... Fr 70	FINLAND .... F. MK 10.00	KOREA .... W 1.800	PAKISTAN .... Rs. 15	SWITZERLAND .... Fr 3
BRUNEI .... B$4.50	GERMANY DM3.50	MALAYSIA RM3.00	PHILIPPINES .... P 25	THAILAND .... B 40
CANADA .... C$.3.50	HONG KONG .... HK$15.00	MALDIVES Rf12.00	SAUDI ARABIA .... SR 3	U.K. £1.30
CHINA .... RMB 12.50	INDONESIA .... RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS G3.30	SINGAPORE .... S$2.50	U.S.A. .... US $3.00

"مسلمانوں کو کہیں کا گورنر اور کہیں کا وائس چانسلر بنانے کے علاوہ کوئی اہم عہدہ نہیں دیا جاتا؟"

آخر اس سیکولر ملک میں مسلمان عدم تحفظ کے شکار کیوں ہیں؟

پنڈت جواہر لال نہرو نے غریب عوام کو نظر انداز کرنے کے خلاف متنبہ کرتے ہوئے 1961 میں کہا تھا کہ ہمارے عوام انتہائی صابر وشاکر ہیں مگر ان کے صبر وبرداشت کی بھی ایک حد ہے۔ اگر ہم انہیں زندگی کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے میں

ہندوستان کے سیکولر ملک ہونے کے باوجود مسلمان عدم تحفظ کے شکار ہیں۔ وہ انتہائی غریب ہیں ان کے پاس زمین اور انڈسٹری نہیں ہے اور ان کی کل آبادی کے تقریباً 97 فیصد لوگ عملی طور پر تجارتی اور مالیاتی شعبوں سے دور ہیں اور لاکھوں لوگ بے روزگار ہیں۔

ناکام رہے تو وہ ہمیں اٹھا کر پھینک دیں گے اور وہ اس میں حق بجانب ہوں گے۔ مگر بد قسمتی سے نہرو کے جانشینوں نے "غریبی ہٹاؤ" اور "بے اقتدار کو اقتدار دیں گے" کے خالی خولی نعروں کے علاوہ غریب عوام کو کچھ نہیں دیا۔ جس کے نتیجے میں غریب اور غریب ہوگئے۔

اس غلط طریقہ کار کے سب سے بدترین شکار مسلمان ہیں، وہ اس ملک کی مجموعی آبادی کا 12 فیصد ہیں مگر کسی بھی شعبے میں وہ دکھائی نہیں دیتے۔ ہندوستان کے سیکولر ملک ہونے کے باوجود مسلمان عدم تحفظ کے شکار ہیں۔ وہ انتہائی غریب ہیں ان کے پاس زمین اور انڈسٹری نہیں ہے اور ان کی کل آبادی کے تقریباً 97 فیصد لوگ عملی طور پر تجارتی اور مالیاتی شعبوں سے دور ہیں اور لاکھوں لوگ بے روزگار ہیں۔ گوپال سنگھ کمیشن کے مطابق وہ نہ صرف بے روزگار ہیں بلکہ کئی روزگار ایکس چینج نے ان کے رجسٹریشن تک سے انکار کر دیا ہے۔ کمیشن کے مطابق 1980 کی دہائی میں صرف چار فیصد مسلم لڑکے اور لڑکیاں ہائر سکنڈری تک پہنچتے تھے اور صرف 1.6 فیصد بچے کالج تک تعلیم مکمل کر پاتے تھے۔ اس وقت سے لے کر اب تک ان میں کوئی سدھار نہیں ہوا ہے سیاسی میدان میں بھی ان کی بہت زیادہ نمائندگی نہیں ہے۔ کہیں کے گورنر اور کہیں کے وائس چانسلر کے علاوہ انہیں مشکل سے کوئی اہم عہدہ مل پاتا ہے۔ خواہ سیاسی پارٹیوں کی اعلی اختیاراتی باڈی ہو یا مرکزی اور ریاستی وزارتیں ہوں۔

علاوہ ازیں ان کے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لئے کچھ کٹر اور مفاد پرست لوگوں نے ان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر رکھی ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی غلط لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ حکومتیں ان کے ناز نخرے برداشت کرتی ہیں۔ وہ اپنے حق سے زیادہ پاتے ہیں اور وہ غیر محب وطن اور پاکستان کے تئیں وفادار ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں نے 1947 میں اپنی وفاداری کے ثبوت میں بہت بڑی اگنی پریکشا دی ہے۔ پاکستان کے نام پر "اسلامی بہشت" کو ٹھکرا کر انہوں نے اپنی غریبی اور مفلسی کے باوجود اپنے مادر وطن میں رہنے کو ترجیح دی۔ کیا کسی اور فرقہ نے مسلمانوں کی مانند اپنے سیکولرزم، حب الوطنی اور وطن دوستی کے لئے ایسا کوئی امتحان دیا ہے؟

ملک کے دوسرے دبے کچلے لوگوں کی مانند مسلمانوں کی حالت بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ لیکن کٹر نکتہ چینوں اور یہاں تک کہ مسلم دانشوروں کا بھی یہ خیال ہے کہ اپنی بد تر حالت کے مسلمان خود ذمہ دار ہیں۔ وہ روایتی رجحان کے حامل ہیں، کٹر ہیں، مدرسوں کی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں اور ذہنی طور پر اپنے ہی خول میں بند رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک رجعت پسندانہ ذہنیت کا الزام ہے تو اس میں بہت زیادہ سچائی نہیں ہے۔ مسلمان اگر جدت پسند نہیں ہیں تو اس کی وجہ ان کی غربت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

ملک کے دوسرے دبے کچلے لوگوں کی ماتند مسلمانوں کی حالت بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ لیکن کٹر نکتہ چینوں اور یہاں تک کہ مسلم دانشوروں کا بھی یہ خیال ہے کہ اپنی بد تر حالت کے مسلمان خود ذمہ دار ہیں۔ وہ روایتی رجحان کے حامل ہیں، کٹر ہیں، مدرسوں کی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں اور ذہنی طور پر اپنے ہی خول میں بند رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک رجعت پسندانہ ذہنیت کا الزام ہے تو اس میں بہت زیادہ سچائی نہیں ہے۔

لیکن گذشتہ چار دہائیوں میں ان کے حالات کو سدھارنے کی ہلکی سی باشعور کوشش بھی نہیں ہوئی ہے آزادی کی صبح کو سیکولر ہندوستان کے مرکزی اور ریاستی قوانین میں انہیں مناسب نمائندگی دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آئین کی دفع (4) 16 میں عوامی روزگار میں برابری کا اور پسماندہ طبقات کے لئے خصوصی پروویزن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پھر آئین کی دفع 46 میں ان کے تعلیمی اور اقتصادی مفادات پر خصوصی توجہ دینے کی بھی بات کہی گئی تھی۔ لیکن عملی طور پر کچھ نہیں ہوا۔

دراصل وقت کے ساتھ ساتھ چیزیں بھی بدل جاتی ہیں۔ انڈر کلاز مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قومی دھارے میں شامل ہو کر جس طرح دوسرے فرقوں کو ان کے حقوق ملے ہوئے ہیں اسی طرح وہ بھی اپنے حقوق کی حصولیابی کی کوشش کریں، لیکن لیجسلیچر اور وزارتوں میں انہیں کچھ دینے کی یقین دہانی بھی کرانی ہوگی۔ دفع (4)16 کے مطابق مسلمانوں میں سماجی تعلیمی اور اقتصادی طور پر پسماندہ لوگوں کو ملازمتوں میں ریزرویشن دینا چاہئے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں سروے کر کے کہ مسلمانوں میں پسماندہ لوگوں کی شناخت کی جانی چاہئے۔

کچھ لوگ مسلم ریزرویشن کے خلاف یہ دلیل دیتے ہیں کہ ان کی ایسی سرکاری ملازمتوں کی تعداد بہت کم ہے جن میں ریزرویشن دیا جاسکتا ہے۔ اس طرح یہ معاملہ سیاسی شوشہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ ایسی ملازمتیں کم ہیں لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اہم چیز تو بیورو کریسی ہے۔ 1992 میں اندرا ساہنی کیس میں سپریم کورٹ کے جج جسٹس

آزادی کی صبح سے لیکر آج تک مسلمانوں کے ساتھ انصاف کیوں نہیں ہوا؟

تھومن کے مطابق ملازمتوں میں ریزرویشن سیاسی شوشہ نہیں ہے۔ یہ تو کسی کو ملک کی خدمت کے لئے برابری کا موقع، تحفظ، اسٹیٹس اور فیصلہ کرنے کی پالیسی میں شرکت کا موقع دینا ہے۔

یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر مسلمان اپنی پسماندگی پر قابو پاسکتے ہیں اور سماجی انصاف حاصل کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اسے سنہ بھڑکاتے ہیں انہیں ڈاکٹر امبیڈکر کے ان خیالات کو سامنے رکھنا چاہئے کہ جو لوگ اقلیتوں کے تحفظ کے خلاف کٹر قسم کی فرق واریت اپنا رہے ہیں ان سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ اقلیت ایک دھماکہ خیز طاقت ہوتی ہے جو اگر پھٹ پڑے تو پوری ریاست کو تباہ کر سکتی ہے۔ اس کی مثال یورپ کی تاریخ میں موجود ہے۔

(کے سی یادو)

کیا سیدنا برہان الدین اسلام اور ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں؟

ملی ٹائمز انٹرنیشنل کے یکم تا پندرہ جنوری 95 کے شمارے میں بوہروں کے اصلاح پسند رہنما اور قلم کار اصغر علی انجینئر کی کتاب پر تبصرہ شائع ہوا ہے جس میں بوہرہ فرقہ کے مذہبی پیشوا سیدنا برہان الدین کا احتساب کیا گیا ہے۔ تبصرے کے ضمن میں بوہرہ فرقہ کے مذہبی عقائد پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح بوہرہ فرقہ کے ایک ایک فرد پر سیدنا کی مذہبی اجارہ داری ہے۔ یہاں تک کہ سیدنا کی اجازت سے ہی لوگوں کی شادیاں ہوتی ہیں اور بوہرہ فرقہ کے کسی بھی فرد کی دولت دراصل سیدنا کی دولت ہوتی ہے اور وہ جس طرح چاہیں اسے اپنے مصرف میں لاسکتے ہیں۔

سیدنا کی "مذہبی اجارہ داری" کے خلاف اصغر علی انجینئر ایک عرصے سے علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ملی ٹائمز انٹرنیشنل کو ارسال کردہ اپنے خط میں وضاحت کی ہے کہ سیدنا کے خلاف ہماری بغاوت صرف دولت کی بنا پر نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پیسوں کا حساب تو ہونا ہی چاہئے کہ کیونکہ وہ قوم کی امانت ہے لیکن ہم سیدنا کی مخالفت اس بنا پر کرتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کر رہے ہیں۔ بقول اصغر علی انجینئر کے "سیدنا اپنے سامنے بوہروں کو سجدہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اپنے آپ پر نعوذ باللہ اللہ تعالی کی صفات چسپاں کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اله الارض قرار دیتے ہیں"

اصغر علی انجینئر نے اپنے الزامات کے جواب میں سیدنا کے لیٹر ہیڈ اور بوہرہ مدرسوں میں پڑھائے جانے والے قاعدہ کی زیروکس کاپیاں ارسال کی ہیں، لیٹر ہیڈ کی پیشانی پر بائیں جانب "الولایۃ" لکھا ہوا ہے اور نیچے جلی حروف میں اللہ، محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین لکھا ہوا ہے۔ الفاظ اللہ اور محمد کے درمیان سیدنا کی پاسپورٹ سائز تصویر بھی لگی ہوئی ہے۔ اس سے وہ کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں، وہی واضح کرسکتے ہیں لیکن کوئی بھی شخص اس لیٹر ہیڈ کو دیکھ کر یہ سمجھے گا کہ نعوذ باللہ سیدنا اللہ کے بعد اپنا مرتبہ دکھا رہے ہیں اور اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کا۔

انجینئر نے اس کے ساتھ ایک پمفلٹ بھی بھیجا ہے جس میں لکھا گیا ہے کہ سیدنا نے اسی قسم کا ایک کلینڈر بھی شائع کروایا ہے اور اسے گھر گھر تقسیم کروا رہے ہیں انہوں نے لیٹر ہیڈ پر اسے چھاپنے کی سرٹیفکیٹ بھی شائع کروائی ہے۔ پمفلٹ میں کہا گیا ہے کہ لیٹر ہیڈ پر "الولایۃ" لکھنے کا ان کا مقصد حضور صلعم اور اہل بیت سے پہلے اپنی ولایت (محبت) کو ایمان کی دلیل ظاہر کرنا ہے۔

سیدنا کی "مذہبی اجارہ داری" کے خلاف اصغر علی انجینئر ایک عرصے سے علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ملی ٹائمز انٹرنیشنل کو ارسال کردہ اپنے خط میں وضاحت کی ہے کہ سیدنا کے خلاف ہماری بغاوت صرف دولت کی بنا پر نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پیسوں کا حساب تو ہونا ہی چاہئے کہ کیونکہ وہ قوم کی امانت ہے لیکن ہم سیدنا کی مخالفت اس بنا پر کرتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کر رہے ہیں۔ بقول اصغر علی انجینئر کے "سیدنا اپنے سامنے بوہروں کو سجدہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اپنے آپ پر نعوذ باللہ اللہ تعالی کی صفات چسپاں کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اله الارض قرار دیتے ہیں"

بوہرہ مدرسوں میں پڑھائے جانے والے قاعدہ کو "تحفہ طاہرہ" کہا گیا ہے اور الف سے لے کر ی تک "اب مشفق۔ سیدنا طاہر سیف الدین اور اسی طرح قاضی الحاجات سیدنا طاہر سیف الدین، کعبۃ المصلین۔ سیدنا طاہر سیف الدین وغیرہ لکھا ہوا ہے اس قاعدہ میں ہر صفت کے آگے سیدنا طاہر سیف الدین درج ہے یہاں تک کہ عالم اہل بیت، نائب آل محمد، ہادی المومنین وغیرہ کے آگے بھی سیدنا طاہر سیف الدین لکھا ہوا ہے۔ یہ قاعدہ 16 جون 1965 کو شائع کیا گیا ہے اور بقول اصغر علی انجینئر کے بوہروں کے تمام مدارس میں ابھی تک پڑھایا جا رہا ہے۔ پمفلٹ میں بتایا گیا ہے کہ "سیدنا نے کئی بار اسلام اور ایمان کا مذاق اڑایا ہے، حالانکہ انہوں نے عدالت میں یقین دہانی کرائی تھی کہ اب ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ بوہرہ برادران بھی سیدنا کی اس گستاخی کے خلاف ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ملاجی خود کو رسولؐ سے برتر اور نعوذ باللہ اللہ کے برابر بتا کر ان پر رعب ڈالنا چاہتے ہیں اور اپنی عظمت کی جھوٹی دھاک بٹھا کر ان سے روپے وصول کرنا چاہتے ہیں، بوہرہ برادران اس توہین آمیز زندگی سے نجات پانے کے لئے ہم سے مدد چاہتے ہیں"

بہر حال مرسلہ لیٹر ہیڈ، قاعدہ اور پمفلٹ کو دیکھنے کے بعد کوئی بھی مسلمان اسے اسلام اور رسول اکرم کی شان میں گستاخی تصور کرے گا۔ اصغر علی انجینئر کا کہنا ہے کہ وہ دولت پر ان کے ناجائز قبضہ کے ساتھ ساتھ ان کی اس گستاخانہ روش کے خلاف بھی صدائے احتجاج بلند کئے ہوئے ہیں۔

یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
مجلس مشاورت
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں
مشرف عام: ڈاکٹر محمد مجتبیٰ خاں
مدیر
محمد احمد سعید
نائب مدیر
سہیل انجم
سرکولیشن: محمد نعیم الدین
کمپوزنگ: تجمل حسین

آج الجزائر آگ اور خون کے دریا سے گزر رہا ہے

فرانسیسی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لئے لاکھوں الجزائری مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ یہ شہداء نہ صرف آزادی کے متوالے تھے بلکہ صحیح اسلامی زندگی بسر کرنے کے خواہاں بھی۔ جنگ آزادی کے رہنماؤں نے اپنی عوامی تقریروں میں ہمیشہ یہی کہا کہ وہ ایک آزاد اسلامی جمہوریہ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ مگر حصول آزادی کے بعد یہ رہنما اپنے سابقہ وعدے بھول گئے اور سوشلزم کے علم بردار بن کر ملک پر حکومت کرنے لگے۔

گذشتہ چالیس برس سے زائد عرصہ میں سوشلزم اور مغربیت کے علم برداروں نے ملکی معیشت کو تباہ کردیا۔ الجیریا تیل کی دولت سے مالامال ملک ہے۔ مگر اس دولت کو رفاہ عامہ کے بجائے چند لوگوں کی تعیش پسندی کی نذر کردیا گیا۔ مغربی مشیروں کی مدد سے ایک ایسا نظام زیر عمل لایا گیا جس نے ایک طرف تو ایک مراعات یافتہ طبقے کو جنم دیا اور دوسری طرف ہر لحہ بڑھتی ہوئی غریبوں کی ایک فوج جو زبردست اکثریت میں تھی۔ مراعات یافتہ طبقہ سیاستدانوں، بیوروکریٹ، فوجی افسروں اور کچھ امیر شہریوں پر مشتمل ہے۔ ایک جابرانہ نظام کے تحت اس طبقے نے ملک کی دولت زیادہ سے زیادہ اپنی جیب میں بھرلی۔ غریبوں کی علم برداد حکومت نے بھی ان لوگوں کی بھرپور مدد کی۔

غریب اکثریت کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ایسی صورت میں چند دردمند نوجوانوں نے ان کی بھلائی کے لئے سوچا اور کام کرنا شروع کیا۔ خوش قسمتی سے عباس مدنی، جو اس وقت زیر حراست ہیں، کی شکل میں انہیں ایک رہنما بھی مل گیا۔ ان لوگوں نے مل کر ایک جماعت کی بنا ڈالی جس کا نام اسلامک سالویشن فرنٹ یا اسلامی نجات محاذ ہے۔

اس فرنٹ نے غریبوں کے لئے متعدد پروگرام شروع کئے غیر سودی قرضہ دیکر انہیں معاشی طور پر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی ترغیب دی، ان کی صحت کے لئے کلنک اور چھوٹے اسپتالوں کے جال بچھادئے ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے بے شمار اسکول کھولے اسی کے ساتھ یتیموں، بیواؤں اور سماج کے دوسرے کمزور طبقات کے لئے متعدد پروگرام شروع کئے۔

مذکورہ بالا سماجی کاموں کے ساتھ فرنٹ نے عوامی اصلاح اور بیداری کا کام بھی شروع کیا۔ ظاہر ہے یہ لوگ غریبوں کے درمیان رہ کر اپنے آپ کو ان سے وابستہ کرکے ان کے دکھ درد اور خوشی میں شریک ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کے اندر اسلامی وسیاسی شعور بیدار کرنے میں انہیں بڑی آسانی ہوئی۔

اس کے برعکس الجیریا کا حکمراں طبقہ جو آزادی کی جنگ کے بعد کافی مقبول تھا، دھیرے دھیرے عوام سے دور ہوتا گیا۔ اس نے پبلک فنڈ کی بنیاد پر تعیش کو اپنا شعار بنالیا۔ غیر پسندیدہ اور غیر قانونی طریقوں سے دولت کمانا عام بات ہوگئی۔ مظلوموں کی آواز دبا دینا اور احتجاج کرنے والوں کو جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دینا پالیسی قرار پائی۔ غرض اقتدار کے نشے میں ہر ناجائز کام کو جائز، حلال کو حرام کو اور ذاتی مفاد کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کی ہمت افزائی کی گئی۔ جب پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو وہی ہوا جو ایسے حالات میں ہوتا آیا ہے۔ غریب اور کچلے ہوئے عوام نے بغاوت کردی۔

عوامی ناراضگی کے بعد 1991 کے اواخر میں الجیریائی حکمرانوں نے عام انتخابات کا اعلان کیا۔ یہ انتخابات دو مرحلوں میں ہونے تھے۔ اسلامی نجات محاذ نے پہلے مرحلے کے انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی اور یہ بات تقریباً طے تھی کہ دوسرے مرحلے کے انتخابات کے نتائج بھی اسی محاذ کے حق میں جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ ان نتائج کے دیکھنے کے بعد الجیریا کے مراعات یافتہ طبقہ میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ لوگ جو اسٹیٹس کو کے حامی تھے وہ کسی تبدیلی کے روادار نہ تھے۔ جن لوگوں نے غریب عوام کے ساتھ ناانصافی کرکے بے پناہ دولت کمائی تھی، وہ ان کے نمائندوں کو اقتدار سونپنے کے حق میں نہ تھے۔ جن لوگوں نے مغرب کی نقالی میں اپنے مذہب وروایات کو بھلا دیا تھا وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے کہ اقتدار اسلام پسند محاذ کو پرامن طریقے سے مل جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اسلامی نجات محاذ کے لوگ انتہا پسند اور مغرب

بم دھماکہ سے ہونے والی تباہی کا منظر

دشمن ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اقتدار میں آگئے تو الجیریا تباہی کے دہانے پر آکھڑا ہوگا۔ کم وبیش اسی قسم کے دلائل فرانس اور دوسرے مغربی ممالک میں بھی پیش کیے گئے اور حکومتوں سے یہ کہا گیا کہ دوسرے مرحلے کے انتخابات نہ کراکر اسلامی نجات محاذ کو اقتدار سے محروم کردیا جائے۔ محاذ پر بے شرمی سے یہ الزام بھی لگایا گیا کہ یہ جمہوریت مخالف ہے۔ جب کہ فرنٹ نے ہی جمہوری انتخابات کا مطالبہ کیا تھا اور انتخابات میں حصہ لے کر ہی اقتدار حاصل کرنے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔

مگر فرانس اور دوسرے مغربی ممالک کے اپنے مفادات ہیں۔ وہ تیسری دنیا میں ایسے حکمراں چاہتے ہیں جو ان کے طرز فکر وحیات کے حامی اور انہیں کی انداز معیشت کے علمبردار ہوں یعنی وہ اپنے عوام کی بہبود کے بجائے ایسے پروگرام چلائیں یا ایسی معاشی پالیسیاں اختیار کریں جس سے ان کے اپنے ملک کا فائدہ ہو یا نہ ہو، مگر اہل مغرب کا فائدہ ضرور ہو۔ چنانچہ فرانس اور دوسرے مغربی ممالک کے دباؤ سے الجیریا کے حکمرانوں نے دوسرے مرحلے کے انتخابات ملتوی کردیے۔ دراصل یہ حکمراں بھی یہی چاہتے تھے کیونکہ محاذ کی کامیابی نے خود ان کے مفادات کے لئے خطرہ پیدا کردیا تھا۔ سچائی یہ ہے کہ مغرب اور الجیریا کے حکمرانوں کے مفادات کی یکسانیت نے ہی انہیں اسلامی نجات محاذ کو اقتدار سے محروم کرنے پر آمادہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پورا الجزائر آگ اور خون کے دریا سے گزر رہا ہے۔

جب دوسرے مرحلے کے انتخابات ملتوی کردیئے گئے اور اسلامی نجات محاذ کے سینئر رہنماؤں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا تو اس تحریک کی قیادت نوجوان ہاتھوں میں آگئی۔ نوجوانوں کا خون گرم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے جابر حکمرانوں اور ان کے حامی اہل مغرب کے خلاف ہتھیار اٹھالیا۔ اس طرح الجزائر میں باقاعدہ ایک طرح کی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

گذشتہ دنوں رمضان کے آغاز سے قبل ایک مسلح گروہ نے دھمکی دی تھی کہ وہ اس مبارک ماہ میں اپنی جدوجہد مزید تیز کردے گا۔ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس گروہ نے 30 جنوری کو الجزائر کے دارالحکومت کے مرکزی پولس اسٹیشن پر کار بم کے ذریعہ حملہ کیا۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کار میں حملہ آور موجود تھا یا نہیں۔ دھماکے سے پولس ہیڈکوارٹر تقریباً تباہ سا ہوگیا۔ 40 سے زائد لوگ فوراً ہلاک اور ڈھائی سو سے زیادہ لوگ زخمی ہوگئے جن میں سے بہتوں کی حالت نازک ہے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ فوج اور پولس صرف دن کے وقت بڑے شہروں کی سڑکوں پر قابض ہوتی ہیں۔ دیہات پوری طرح اسلام پسندوں کے قبضہ میں ہے۔ اور رات کے وقت شہر کے بیشتر علاقوں پر بھی انہیں کی عملداری ہوتی ہے مگر فرانس اور مغرب کے اشارے پر الجزائر کا حکمراں طبقہ اقتدار سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ فوج کی مدد سے عوام پر ظلم ڈھانے میں مصروف ہے۔ لیکن جن لوگوں کی حالات پر نظر ہے وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ الجزائر کے حکمرانوں کے دن گنے جاچکے ہیں۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اگر مغربی ممالک خصوصاً فرانس ان حکمرانوں کی مدد بند کردے تو چند ہفتوں میں اس ملک پر اسلام پسند غالب آجائیں گے۔ اس کے بعد اگرچہ تشدد پر قابو پانا آسان کام نہ ہوگا مگر اس بات کی پوری امید ہے کہ وہاں ایسی حکومت قائم ہوگی جو اسلامی اور عوامی جذبات کی ترجمان ہوگی۔ •

ایمن راضی خودکش بمبار کیوں بنا؟

ایک جیالے فلسطینی کی سبق آموز داستان

وہ کیا چیز ہے جو زندہ رہنے کی تمام ترغیبات کے باوجود کسی شخص کو انسانی بم کے طور پر استعمال ہوکر موت کو گلے لگانے پر اکساتی ہے۔ اس اقدام پر ابھارنے والے عوامل کچھ بھی ہوں دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں اس نوعیت کے واقعات زیادہ ہورہے ہیں۔ ڈیڑھ سال قبل شدت پسند فلسطینیوں کے گروہوں میں خودکش بمباری کے ایک ہتھیار کی حیثیت اختیار کرنے سے اب تک 37 افراد اس کی نذر ہوچکے ہیں اور 175 افراد زخمی ہوئے ہیں۔

فلسطینی فدائی بمبار جن کی تعداد چودہ ہے ان میں بہت سی خصوصیات مشترک پائی گئی ہیں۔ اسرائیلی حفاظتی حکام کے مرتب کردہ ایک خاکے کے مطابق یہ سبھی افراد زیادہ تر غیر شادی شدہ اٹھارہ سے 24 سال تک کی عمر کے غریب گھرانوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان تھے۔ ان کا مقصد شہادت کا حصول، سابقہ کامیاب بمباروں کے ہاتھوں خود اپنی یا اپنے خاندان کے کسی فرد کی توہین کا انتقام تھا۔ مذہبیت یا قوم پرستی کو انہوں نے اپنے عقیدے کا جز بنالیا تھا اور وہ حمس یا اسلامی جہاد جیسی تنظیموں سے وابستہ تھے۔

غزہ پٹی کے خان یونس پناہ گزیں کیمپ میں مقیم کامل نام کے گیارہ بچوں کے باپ ایک ماہی گیر کا بیٹا اکیس سالہ ایمن راضی بھی ان تفصیلات پر پورا اترتا ہے۔ اسے بھی فدائیانہ قاتل بننے کی خواہش تھی لیکن اس کی قسمت میں نیم کامیابی لکھی تھی۔ واقعہ اس طرح ہے کہ وہ یروشلم کے وسط میں ایک ایسے بس اسٹیشن پر پہنچا جہاں یہودی "السبت" کی تقریب سے فارغ ہوکر اپنے ٹھکانوں پر جانے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ اس نے سپاہیوں کے لئے مخصوص ایک بس پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن ڈرائیور نے یہ دیکھ کر کہ راضی فوجی لباس میں نہیں ہے دروازہ بند کرلیا۔ چند ہی لمحے بعد نوجوان شاید گھبرا کر یا Fallback پلان کے طور پر اپنے جسم سے بندھے ہوئے چھ کلو وزن آتش گیر مادے کا سوئچ دبا دیا اور نتیجتاً جو دھماکہ ہوا اس میں آس پاس کھڑے ہوئے بارہ اشخاص زخمی تو ضرور ہوئے لیکن رضی کے علاوہ کوئی ہلاک نہیں ہوا۔

نوعمری میں راضی شمالی اسرائیل میں ایک بس اسٹینڈ پر گذشتہ اپریل میں سات اسرائیلیوں کو

ہلاک کر ڈالنے والے 25 سالہ فدائی بمبار نوجوان رائد زکریہ کی طرح ہی چاق و چوبند اور سنجیدہ تھا۔ پنج وقتہ نماز کے علاوہ وہ دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ بھی رکھتا تھا اور نمازی دوستوں کی صحبت میں رہتا تھا۔

راضی ایک اچھا طالب علم تھا اور ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد دو سالوں تک غزہ کے الاظہر کالج اور اسلامی یونیورسٹی میں انگریزی اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کی اور پھر الکٹریشین کی غرض سے روزگاری مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ گذشتہ جولائی میں اس نے اپنا ارادہ بدل کر فلسطینی پولس میں بھرتی ہونے کا فیصلہ کیا جس نے کچھ دن پہلے غزہ کے نیم خودمختار علاقوں میں یاسر عرفات اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدے کے تحت اپنا کام شروع کیا ہے۔ راضی اس امن معاہدے کو فلسطین کی سودے بازی سے تعبیر کرتا تھا تاہم، جیسا کہ اس کے اہل خاندان کا بیان ہے وہ پولس مین کی حیثیت سے کام کرنے پر راضی تھا کیوں کہ اس میں اسے 250 ڈالر ماہانہ تنخواہ ملتی اور اس طرح ایک ریٹائرڈ باپ اور اسرائیل میں کام کرنے والے غزہ پٹی کے ہزاروں مزدوروں پر سرحد بند ہوجانے سے اس کے چار بے روزگار بھائیوں کی کفالت ہوجاتی۔ انتفاضہ کی سرگرمیوں کے دوران ایمن راضی نے اپنے بچپن میں قتل و غارت گری کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اس کے بھائیوں نے اسے بتایا تھا کہ اسرائیلی سپاہی دیر رات کو اس کے گھر آکر افراد خاندان کو اسرائیلی مخالف پوسٹر اور فلسطینی مظاہرین کے جلائے ہوئے ٹائر ہٹانے پر مجبور کرتے تھے۔ اسرائیلی سپاہیوں کی چھوڑی ہوئی آنسو گیس کے اثر سے اس کی بہن کا تین بار حمل ساقط ہوگیا۔

راضی کی بہن نے بتایا کہ دو سال پہلے جب اسرائیلی سپاہی اس کے ایک بھائی کو پکڑنے کے لئے آئے تو اس کی ماں کی طرف سے مزاحمت کئے جانے پر سپاہی کے رائفل کے کندے سے اس کے

باقی صفحہ 9 پر

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ بال ٹھاکرے؟

مسلم ووٹ بٹ گئے تو مہاراشٹر کو شیوسینا کے چنگل سے کوئی نہیں بچا پائے گا

اس وقت جب کہ اخبار کی آخری کاپی پریس جارہی ہے مہاراشٹر میں انتخابی مہم شباب پر ہے لیکن صورت حال اب بھی واضح نہیں ہے اور یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ حکومت سازی کس کے نصیب میں آئے گی، شیوسینا بی جے پی اتحاد بھی دعوی کر رہا ہے اور ذرا ہلکے پھلکے انداز میں کانگریس بھی۔ تیسری سیاسی قوت بہوجن شرک سماج بھی پورے دم خم کے ساتھ الیکشن لڑرہی ہے اور مسلمانوں کی کانگریس سے ناراضگی کے پیش نظر سماجوادی پارٹی بھی زیادہ سے زیادہ سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ ایک طرف سیاسی پارٹیاں انتخابی مہم چلائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف کچھ اخبارات بھی اپنی سیاسی وابستگی کا ڈھکے چھپے انداز میں مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ایک اخبار نے صنعت کاروں سے گفت وشنید کر کے یہ جائزہ لینے کی کوشش کی ہے کہ بال ٹھاکرے کی پوزیشن اس حلقے میں کیسی ہے۔ صنعت کاروں سے یہ سوال کیا گیا کہ اگر بال ٹھاکرے وزیر اعلی ہوجاتے ہیں تو آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟ گویا بالواسطہ طور پر ٹھاکرے کے حق میں فضا ہموار کرنے اور یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ وزیر اعلی بننے جارہے ہیں، ایک منظم مہم چلائی جارہی ہے۔

لوگوں کی نظریں بمبئی پر لگی ہوئی ہیں کیونکہ ایک تو یہ ملک کی صنعتی راجدھانی ہے اور دوسرے یہاں بھیانک فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوچکے ہیں جس کی بنا پر مسلمانوں نے کانگریس کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ وزیر اعلی شرد پوار اپنی سیاسی زندگی کی سب سے مشکل جنگ لڑ رہے ہیں اگر اس جنگ میں وہ ناکامی سے دوچار ہوتے ہیں تو ان کے سیاسی کیریئر کے گہن آلود ہونے کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ ادھر بال ٹھاکرے بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس بار انہیں ریاستی اسمبلی میں اکثریت نہیں ملی تو پھر آئندہ اکثریت حاصل کرنا ان کے لئے لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہوجائے گا۔

بی جے پی اور شیوسینا کے لیڈران اس خیال کے حامی ہیں کہ مسلم ووٹ بکھر گیا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ تیسری سیاسی قوت کا تناور درخت کی شکل میں کھڑا نہ ہو پانا ہے۔ حالانکہ شروع میں ایسا لگ رہا تھا کہ یہ قوت ایک متبادل فراہم کرلے گی۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی ہوتا آیا ہے نشستوں کی تقسیم پر آپس میں اختلاف ہوگیا اور جنتا دل نے نئے متبادل کے تمام امکانات کو سبوتاژ کر دیا جس پر وی پی سنگھ نے دبے لفظوں میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا۔ حالانکہ علماء کونسل نے بی ایس ایس کی حمایت کا اعلان کیا ہے اور دوسری مسلم اور سیکولر تنظیمیں بھی اس کی حمایت کر رہی ہیں لیکن مجموعی طور پر نہ تو اس کی کوئی لہر ہے اور نہ ہی اس کے بڑی پارٹی کی حیثیت سے ابھرنے کے امکانات ہی روشن ہیں۔ مسلمانوں کا برائے نام ووٹ کانگریس کو ملے گا البتہ بقیہ ووٹ بی ایس ایس ملائم سنگھ کی سماجوادی پارٹی اور دوسرے فرنٹوں میں تقسیم ہوجائے گا۔ البتہ شیوسینا اور بی جے پی کا ٹھوس ووٹ جو فرقہ واریت کی بنیاد پر تشکیل کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ لیکن اس اتحاد کو اپنے روایتی انداز میں بھرپور مہم چلانے میں خاصی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ماضی کے تجربات ہیں اس سے قبل شیوسینا کے اکثر امیدوار ہندوتو کے نام پر الیکشن جیت چکے ہیں لیکن کئی کامیاب امیدوار بعد میں اسی بنیاد پر اپنی سیٹ بھی گنوا بیٹھے ہیں، عدالت کئی سینا ممبران اسمبلی کے الیکشن کو خارج کر چکی ہے۔ اسی لئے اس بار شیوسینا اور بی جے پی نے بھول کر بھی ہندوتو کا نام نہیں لیا ہے اور رام اور مندر کے بجائے روٹی اور چاول بھاجی اور پوری کا لالچ دیا راما راؤ کے دو روپئے کلو چاول کے انتخابی ایشو پر الیکشن جیتنے کے بعد کانگریس اور شیوسینا بی جے پی بھی اس راہ پر چل پڑی ہیں۔ تینوں پارٹیوں نے اپنے اپنے منشور میں عوام کو سستا کھانا اور سستا غلہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

بال ٹھاکرے اور اڈوانی، حکومت سازی کے خیالوں میں گم

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی جرائم پیشہ افراد کی بن آئی ہے شیوسینا وبی جے پی کے ساتھ ساتھ کانگریس نے بھی ان کو انتخابی میدان میں اتارا ہے۔ اسمبلی میں کل 288 نشستیں ہیں جن میں 34 بمبئی میں پڑتی ہیں اور ان 34 پر 511 امیدوار اپنی قسمت آزما رہے ہیں۔ کئی حلقوں میں کانگریس کی طرف سے غنڈے الیکشن لڑ رہے ہیں شرد پوار کے سیاسی حریفوں کے بقول انہوں نے اپنے ساتھی غنڈوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں الیکشن میں اتارا ہے۔

ایک سینئر کانگریسی لیڈر کا اپنے نام کو صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پر کہنا ہے کہ اگر کسی کو پوار کے انڈرورلڈ سے رشتے کا ثبوت چاہئے تو اسے چاہئے کہ وہ امیدواروں کی فہرست پر ایک نظر ڈال لے۔

1990 کے اسمبلی الیکشن کے دوران بی جے پی شیوسینا کو 24 اور کانگریس کو 9 نشستیں ملی تھیں جب کہ ایک مسلم لیگ کے قبضہ میں گئی تھی۔ اس وقت بھی اصل مقابلہ کانگریس اور شیوسینا وبی جے پی میں ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ بی ایس ایس دوسری بڑی پارٹی کی حیثیت سے ابھرے۔ سابق مسلم لیگ ایم ایل اے بشیر پٹیل اور روزنامہ اردو ٹائمز کے ساجد رشید ایس پی۔ بی ایس پی کے امیدوار ہیں دوسرے اور کئی ایسے امیدوار ہیں جو کانگریس سے ایس پی بی ایس پی میں آئے ہیں اور جنہیں مسلمانوں کی اچھی خاصی حمایت حاصل ہو رہی ہے۔ اس وقت بمبئی میں چلنے والی انتخابی مہم کے آئینے میں جھانک کر دیکھنے سے جو عکس نظر آتے ہیں ان کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ الیکشن نتائج ہنگ اسمبلی (معلق اسمبلی) کی صورت میں سامنے آسکتے ہیں اگر ایسا ہوا اور کسی بھی پارٹی کو واضح اکثریت نہیں ملی تو بی ایس ایس۔ ایس پی بی ایس پی جنتا دل اور دوسرے امیدواروں کو ملاکر ایک تیسرا فرنٹ تشکیل پذیر ہوسکتا ہے۔ جو کانگریس اور شیوسینا بی جے پی سے الگ ہٹ کر ایک متبادل کا رول ادا کرے۔ اگر ایسا ممکن ہوا تو یہ بلاشبہ سیکولر طاقتوں کی کامیابی اور فرقہ پرست عناصر کی زبردست ناکامی ہوگی۔ لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کسی کرشماتی رہنما کی جو مختلف لوگوں کے دھاگوں کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں سنبھال کر رکھ سکے۔

بہار اسمبلی الیکشن میں نہ کوئی لہر نہ کوئی ایشو

کیا لالو یادو اپنی ساکھ بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟

ریحان غنی

بہار میں 5۔ 7۔ اور۔ 9 مارچ کو تین مرحلے میں اسمبلی انتخابات ہورہے ہیں اس مرتبہ الکشن کمیشن نے امیدواروں کے انتخابی اخراجات پر نظر رکھنے کے لئے نگراں کمیٹیاں بنائی ہیں اور انہیں اخراجات کا اندراج کرنے کے لئے رجسٹر فراہم کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈمی امیدواروں کو آگاہی دی گئی ہے کہ وہ انتخابی میدان سے ہٹ جائیں ورنہ پتہ چلنے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ اس مرتبہ ریاستی اسمبلی کی 324 نشستوں کے لئے ہونے والے انتخابات میں تقریبا دس ہزار امیدوار میدان میں ہیں۔ 11۔ مارچ کو ووٹوں کی گنتی ہوگی اور 14۔ مارچ تک انتخابی عمل مکمل ہوجائے گا۔ 15 مارچ کو موجودہ ریاستی اسمبلی ختم ہونے والی ہے۔

اس مرتبہ کے انتخابات میں کسی پارٹی کی حمایت یا مخالفت میں اب تک نہ تو کوئی لہر ہے اور نہ رائے دہندگان کے سامنے کوئی "ایشو" ہی ہے۔ ووٹر بالکل خاموش ہیں ان کا جھکاؤ کس پارٹی کی طرف زیادہ ہے یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ ویسے ریاست میں ذات پات کے نام پر سماج کا جو ڈھانچہ بنا ہے اس کا اثر انتخابات پر بھی پڑے گا۔ اس وقت ریاست میں اکثریتی فرقہ کا ووٹ دو حصوں یادو اور غیر یادو میں بٹا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت یادوؤں کے ساتھ ہے۔ اس تفریق کو وزیر اعلی لالو پرساد یادو نے ایسے حلقہ سے کامیاب ہونا تقریبا ناممکن ہے جہاں یادوؤں کی آبادی بہت ہی کم ہے۔ اسی طرح کسی غیر یادو امیدوار کا (مسلم امیدوار کو چھوڑ کر) یادو اکثریتی علاقے سے جیتنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر اعلی لالو پرساد نے دو ایسے حلقوں سے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کئے ہیں جہاں یادو ووٹروں کی اکثریت ہے۔ ان میں ایک طبقہ پٹنہ ضلع کا دانا پور اور دوسرا ویشالی ضلع کا راگھو پور ہے۔ کچھ عرصے سے دانا پور اسمبلی حلقہ پر وزیر اعلی لالو پرساد کی خصوصی توجہ تی اور وہاں بڑے پیمانے پر ترقیاتی کام ہورہے تھے۔ اور ان کاموں کی نگرانی لالو پرساد ذاتی طور پر کررہے تھے۔ ترقیاتی اسکیموں کا سنگ بنیاد ڈالنے سے لے کر افتتاح تک کا کام وہ خود کررہے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی پسند کے افسران کو بھی پہلے سے ہی مامور کرنا شروع کردیا تھا جس سے یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ لالو پرساد دانا پور کو انا حلقہ انتخاب بنانا چاہتے ہیں مسٹر نول کشور آبادھیہ مدوپ کو جو عرصہ تک وزیر اعلی سکریٹریٹ میں تھے دانا پور کا سب ڈویزنل مجسٹریٹ ماموگیا گیا۔ اس کے علاوہ مسز سنگیتا گاری یادو ٹریننگ مکمل ہونے کے فورا بعد رانا پور کی سب ڈویزنل پولس آفیسر بنائی گئیں اور وزیر اعلی کے قریبی رشتہ دار مسٹر راج کار یادو دانا پور تھانہ کے آفیسر انچارج نبائے گئے جب کہ مسٹر کرشن کا یادو کو دانا پور کا سرکل آفیسر مامور کیا گیا۔ جغرافیائی نقط نظر سے گنگا ندی کی وجہ سے دانا پور اسمبلی حلقہ دو

باقی ص 8 پر

لالو یادو اور جگناتھ مشرا، خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

اپنے **افطار** میں چیچنیا اور بوسنیا کے مسلمانوں کو شریک کیجئے

کہ یہ آپ کے افطار میں شرکت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں

کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانیں لٹا رہے ہیں

بوسنیا اور چیچنیا

میں آپ کے بھائیوں، بہنوں اور معصوم بچوں پر رمضان بہت سخت گذر رہا ہے۔ انہیں اسلحوں کے علاوہ اور بھی ان سب چیزوں کی ضرورت ہے جن کا آپ رمضان میں اہتمام کرتے ہیں کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ کی چھوٹی سی مدد دم توڑتے معصوم بچے کی جان بچالے اور سرفروش مجاہدین کے حوصلے بلند کردے۔

ملی پارلیامنٹ نے اپنے بھائیوں کی مدد کا تہیہ کر رکھا ہے۔ آپ بھی اس مبارک مہم میں شریک ہوکر غلبہ اسلام کی عالمی تحریک سے وابستہ ہوجائیے۔ کپڑے، غذا، دوا اور پیسوں ہر طرح سے تعاون کیجئے۔ اپنا تعاون مقامی ممبر ملی پارلیامنٹ کے توسط سے ارسال کیجئے یا براہ راست مرکز سے رابطہ کیجئے۔ چیک، ڈرافٹ پر **Ummah Fund** لکھئے۔ البتہ صراحت ضرور کیجئے کہ آپ کی یہ رقم بوسنیا کے لئے یا چیچنیا کے لئے

رمضان کی مبارک راتوں میں مجاہدین چیچنیا اور بوسنیائی مسلمانوں کے لئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیجئے اور غلبہ اسلام کے لئے چلنے والی ہر تحریک کو مسلکی اور جماعتی تعصب سے اوپر اٹھ کر تعاون دیجئے۔ انشاءاللہ فتح ہماری ہوگی۔

آپ کا بھائی
راشد شاذ

Milli Parliament, 4/1176-D, New Sir Syed Nagar, Aligarh-202002 Tel : (0571) 400182

ملی پارلیامنٹ

چیچنیا کی جنگ کو روس کا داخلی معاملہ قرار دے کر ہم نسل کشی کو برحق ثابت کر رہے ہیں

صدیوں پر محیط چیچن مجاہدین کی داستان

کلنٹن انتظامیہ نے چیچنیا پر روسی یلغار کو داخلی مسئلہ کا نام دیا ہے اور اسی کی تقلید میں ہندوستان نے کشمیر کو چیچنیا کے ہم پلہ قرار دے کر روسی وزیر اعظم کے ساتھ اس معاہدہ پر دستخط کئے کہ چیچنیا روس کا داخلی معاملہ ہے۔ مزید یہ کہ ہندوستان اور مغربی پریس دونوں ہی ابھی کچھ دنوں پہلے تک بڑی شدت سے روس کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ چیچن جرائم پیشہ ہیں۔ ہندوستان نے ایک لمحہ رک کر جارحانہ آور کی طرف سے اپنے ظلم کے جواز میں مظلوم کی کردار کشی کرنے کے معروف حربے پر غور کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ کاکیشیا کے علاقے میں آج سے ایک صدی قبل روسی فوجیں داخل ہوئی تھیں۔ نو آباد کاروں نے دہشت گردی کی چالوں کے تحت کاکیشیائی عوام کا اجتماعی قتل کیا۔ ان کے گاؤں کے گاؤں تباہ کیے۔ غذائی اشیاء کی فراہمی معطل کردی اور ان کے کھیت ناقابل کاشت بنادئے۔ اس مہم کا روح رواں جنرل یرمولوف تھا جس نے کہا تھا کہ چیچنیا کے عوام چوروں کا غول ہیں۔ اس نے اپنی سرکاری رپورٹ میں، انہیں روئے زمین پر وحشی ترین اور مجرم قوم سے تعبیر کیا تھا۔ لیکن اس کے سپاہیوں کا خیال بالکل مختلف تھا اور زار کی فوج کے سپاہیوں کی بڑی تعداد نے جمہوریت پسند چیچنیا کی طرف واپسی کا رخت سفر باندھ لیا۔

چیچنیا والوں کو جابرانہ حکومت کا کبھی تجربہ نہیں تھا۔ انیسویں صدی کی مطلق العنانی اور غلامی کے برخلاف چیچن صدیوں سے جمہوری طرز پر منتخب شدہ نظام پر قائم آزاد معاشرے سے تعلق رکھتے تھے جس میں انہیں یکساں حقوق و مراعات حاصل تھے چراگاہیں، جنگل اور سبزہ گاہیں یہ سب مشترکہ جائیداد تصور کئے جاتے تھے اور عوام اور جاگیر دار کے زیر نگیں نہ تھے۔ ان کا قانونی نظام منتخب نمائندوں کی مجلس پر مشتمل تھا جس میں سب یکساں حقوق کے مالک تھے ان کے عہدے کی مدت محدود وقت کے لئے ہوتی تھی اور مدت ختم ہونے پر ان کا از سر نو انتخاب ہوتا تھا۔ یہ نظام چیچنیا میں عیسائیت اور اسلام کی آمد کے بعد بھی برقرار رہا۔

گروزنی میں صدارتی محل کا سقوط دوسری جنگ آزادی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

روسی نو آباد کاری کی تاریخ میں زار کی فوجوں کے لئے کاکیشیائی جنگ سب سے زیادہ تھی۔ اگرچہ اس کے انضمام کی کوشش روس کی طرف سے 16 ویں صدی سے ہی ہورہی تھی تاہم روس کی چوطرفہ یلغار انیسویں صدی سے قبل ممکن نہ ہوسکی۔ 1801 میں سکندر اول کی طرف سے شروع ہونے والی جنگ اس کے بعد آنے والے حکمرانوں کے دور تک جاری رہی۔ اور 1864 میں روس کاکیشیا کے انضمام میں کامیاب ہوگیا۔ تقریبا نصف صدی تک چیچن، سرکاسین، انگش اور داغستانی یہ تمام قومیں متحد ہوکر ان حملوں سے نبرد آزما ہوتی رہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شمالی کاکیشیا کو زار کے حملوں کے خلاف متحد کرنے میں صوفی تعلیمات کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ لوگوں کی شکست کا سبب محض یہ تھا کہ دو لاکھ حملہ آور سپاہیوں کا سامنا کرنے کے لئے ان کے پاس جدید ترین مشینری نہیں تھی۔

اس نو آبادکاری کے نتیجے میں دس لاکھ سے زائد سرکاسین، چیچن اور انگشتی عوام جلا وطن کردئے گئے ان کی زمین جائداد پر قبضہ کرلیا گیا۔ لیکن یہ سب اقدامات انہیں جبر کے سامنے سر جھکانے پر مجبور نہ کرسکے۔ 1917 کے انقلاب تک زار کی

"آزادی یا موت" چیچن مجاہدین کا عزم

کلپنا ساہنی کا نقطہ نظر

حکومت کے خلاف بغاوت ایک نمایاں عنصر بنی رہی۔ شمالی کاکیشیا کی دیگر قوموں کے ساتھ چیچن نے بھی 1918 میں زار پرست روس سے آزادی کا اعلان کیا۔ تاہم اپنی آزادی کا اعلان کر چکنے والی باقی ماندہ نو آباد خطوں کی طرح شمالی کاکیشیائی کی ریاست کی عمر مختصر ہی ثابت ہوئی۔ 1924 تک ان آزاد قومیتوں سے خائف ہوکر بوشیوائیوں نے ایک بار پھر شمالی کاکیشیائی خطوں کے ایک بڑے حصے کا شمول چیچنیا کے خود مختاری دینے کے وعدے پر روس کے ساتھ انضمام کرلیا۔ (نیز دیگر قومیتوں کی بھی روس کا حصہ بنا لیا گیا اس طرح علاحدہ ہونے کا حق انہیں نہیں دیا گیا) چیچن کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ ماسکو کے لیڈران معتبر نہیں ہیں۔ ان کو بے طرح دبایا جاتا۔ چیچن لیڈروں کا قتل اور جبری اجتماعیت پروری کی بناء پر 1940 کی دہائی میں تقریبا ہر سال چیچنیا میں سوویت تسلط کے خلاف اجتماعات ہوتے تھے۔ چیچن کمیونسٹ شاعر حسن اسرائیلوف نے چیچنیا میں تباہی مچانے کے لئے سوویت حکومت کی حد درجہ مذمت کی جس کے لئے اسے پہلی بار قید ہوئی تھی۔

1940 دوسری بار رہائی کے وقت تک اسرائیلوف نے اپنا انتخاب کرلیا تھا۔ پارٹی کے علاقائی دفتر کو خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

باقی صفحہ ۷ پر

"مغرب سے کہہ دو ہمیں گرینڈ اور راکٹ چاہیے"

چیچن پناہ گزینوں کی لرزہ خیز داستان

"مغرب سے کہہ دو کہ ہمیں انسانی بنیادوں پر مدد کی ضرورت ہے۔ مثلا گرینیڈ اور راکٹ" یہ الفاظ ایک بزرگ چیچن خاتون رضاکار کے ہیں جو انہوں نے مغربی صحافیوں سے اس وقت کہے جب وہ پناہ گزینوں کے لئے بریڈ اور سبزیاں پیک کر رہی تھیں۔ جملے میں چھپا ہوا طنز سب پر عیاں ہے۔ اس سے ایک طرف چیچن پناہ گزینوں کی بد تر حالت کی طرف اشارہ ملتا ہے تو دوسری طرف چیچن مجاہدوں کی بے سرو سامانی کا پتہ چلتا ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر مغرب کی بے حسی اور دوغلے پن کی پالیسی پر یہ ایک بھرپور طمانچہ ہے۔

جیسے جیسے جنگ گروزنی شہر سے نکل کر گاؤں اور دیہاتوں میں پھیل رہی ہے، ویسے ویسے پناہ گزینوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ روسی طیارے اب ان مقامات پر بھی موت اور تباہی کی بارش کر رہے ہیں جو پہلے محفوظ تصور کیے جا رہے تھے۔ گروزنی چھوڑ کر دوسری جگہوں پر پناہ لینے والوں کی بیچارو ننگے کھڑے کردینے والی ہے۔ ایک نوجوان چیچن خاتون مس بیلا کے یہ الفاظ در اصل ہزاروں بدحال پناہ گزینوں کے جذبات و احساسات کے ترجمان ہیں۔ "جب میں نے گروزنی چھوڑا تو مجھے معلوم تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ میں شالی میں اپنے کزن کے یہاں قیام کے لئے چلی گئی۔ لیکن جب 3 جنوری کو روسیوں نے یہاں کے بازار پر بھی بمباری کی تو مجھے معلوم ہوا کہ دہشت ناک تجربہ Nightmare دوبارہ شروع ہوگیا ہے اور یہ کہ مجھے یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور پناہ لینی ہوگی۔" مس بیلا گروزنی اس وقت چھوڑ کر شالی چلی آئی تھیں جب روسی طیاروں نے ان کے گھر پر بمباری کی تھی جس سے ان کا سب کچھ تباہ ہوگیا۔

جب 11 دسمبر کو روس نے چیچنیا خصوصا گروزنی پر چڑھائی کی تو اکثر چیچنوں کا خیال تھا کہ بہت جلد وہ اپنے شہر میں اپنے پورے خاندان کے ساتھ رہنے لگیں گے۔ در اصل عورتیں اور بچے گروزنی چھوڑ کر دیہاتوں میں اپنے رشتہ داروں کے پاس چلے گئے تھے اور مرد اپنے گھروں کی حفاظت اور روسیوں کے خلاف لڑنے کے لئے شہر میں ہی رہ گئے تھے۔

لیکن روسی گروزنی تباہ کرنے کے بعد اب آس پاس کے دیہاتوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ 3 جنوری کو شالی پر ایک فضائی حملہ ہوا جس میں سو سے زیادہ بے گناہ لوگ مارے گئے۔ اس حملے کے بعد مس بیلا اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر ایچنیٹی مسرتان آگئیں جو گروزنی سے تیس کلو میٹر مغرب میں واقع ہے۔ مسرتان 18 سو باشندوں کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں تیس ہزار افراد پناہ لئے ہوئے تھے۔

مگر چند روز قبل روسی ٹینک اس شہر پر حملے کے لئے آگئے۔ ابھی وہ تین کلو میٹر دور تھے کہ پناہ گزینوں کو ایک بار پھر بھاگنا پڑا۔ وہ اپنے مختصر سامانوں میں سے جو کچھ لے سکتے تھے اسے لیکر کاروں سے یا پیدل ایک دوسرے گاؤں نو وی اتاگی کی طرف چلے گئے۔ 8 ہزار باشندوں پر مشتمل یہ گاؤں اب چالیس ہزار پناہ گزینوں کا مسکن بھی ہے۔ اتاگی کے میئر کا کہنا ہے کہ "یہ ایک امن پسند قصبہ ہے۔ یہاں آپ کسی کے ہاتھ میں بندوق نہیں پائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود روسی ہیلی کاپٹروں نے یہاں پرواز کی اور لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں ورنہ بمباری کر کے انہیں ختم کر دیا جائے گا"۔

اوپر کی داستان الم سے چیچن باشندوں کی پریشانی اور روسیوں کی وحشیانہ طبیعت دونوں کا پتہ چلتا ہے۔ مگر دنیا کا ضمیر اب بھی محو خواب ہے۔

پناگزین چیچن خواتین دربدر بھٹکنے پر مجبور

"ہم اس جنگ کو روسی شہروں تک پہونچادیں گے" دودائیف

اگر کوئی اس خوش فہمی میں تھا کہ گروزنی میں صدارتی محل پر روسی فوجوں کے قابض ہوجانے کے بعد جنگ ختم ہوجائے گی تو اسے اپنی غلطی کا اعتراف کرلینا چاہیے۔ دراصل خود گروزنی شہر کے مضافات میں لڑائی جاری ہے۔ رہائشی اور غیر رہائشی مکانوں کی (جن میں سے اکثر بمباری کی وجہ سے تباہ ہوگئے ہیں) آڑ لے کر ایک قسم کی گوریلا جنگ لڑی جارہی ہے۔ چیچن مجاہدوں کا حوصلہ بلند ہے اور وہ آخری سانس تک لڑنے کا عہد کئے ہوئے ہیں۔

جنگ اب گروزنی شہر سے نکل کر مضافات اور دیہاتوں میں بھی پھیل گئی ہے۔ کئی گاؤں اور قصبوں پر روسیوں نے وحشیانہ بمباری کی ہے جس سے سیکڑوں معصوم لوگ جاں بحق ہوگئے ہیں۔ ہلاک شدگان میں ایک اچھی خاصی تعداد بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روسی غیر فوجی ٹھکانوں اور رہائشی علاقوں کو بھی اپنی وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

بعض روسیوں کا کہنا ہے کہ وہ گروزنی شہر سے تو چیچن باغیوں کو چند ہفتوں یا کم از کم ایک ماہ میں نکال باہر کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ پہاڑیوں کی طرف چلے جائیں اور وہاں سے گوریلا جنگ شروع کردیں تو پھر نہیں کہا جاسکتا کہ جنگ کتنی طول پکڑلے گی۔ ایسی صورت میں اس جنگ کو ختم کرنے میں پچاس برس بھی لگ سکتے ہیں۔

دریں اثنا جنرل دودائیف نے دھمکی دی ہے کہ وہ جنگ کو روسی شہروں تک لے جائیں گے کیونکہ روسی فوجی بلا امتیاز رہائشی علاقوں پر بمباری کر کے معصوم غیر فوجی چیچنیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اگرچہ روسی حکمرانوں نے دودائیف کی دھمکی کو کھوکھلی قرار دیا ہے مگر کچھ لوگوں کو یہ اندیشہ ہونے لگا ہے کہ بعض چیچن مجاہدین انسانی بم کی شکل میں روس کے اندر سر فروشانہ حملے کرسکتے ہیں۔

چیچنیا میں جاری جنگ کا روسی معیشت پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے روسی کرنسی یعنی روبل ڈالر کے مقابلے پہلے کبھی اتنا بے وقعت نہ تھا۔ پچھلے دنوں انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ کا ایک وفد ماسکو میں تھا 12 بلین ڈالر کی رقم داؤ پر ہے۔ جو روس ادھار لینا چاہتا

باقی صفحہ ۷ پر

چیچنیا کے مجاہدین بھی خودکش دھماکوں کی راہ پر

دارالحکومت گروزنی کو روسی استبداد پسندوں نے تاخت و تاراج کردیا ہے۔ وہاں روسی پرچم لہرا رہا ہے اور چیچن مجاہدین نے حالات کے تقاضہ کے تحت نئی جنگی حکمت عملی ترتیب دے رہے ہیں۔ انہوں نے اہم شہری علاقوں کو خالی کرکے پہاڑوں کے دامن کو اپنی کمین گاہوں میں تبدیل کردیا ہے۔ مدہیت پسند روسی افواج نے چیچن مجاہدین کا کلی طور پر قلع قمع کرنے کے لئے دیہی علاقوں میں بھی وحشت و بربریت کا رقص بے ہنگام شروع کردیا ہے۔ جس کے نتیجے میں مجاہدین کا تو کم البتہ عوام کا زبردست جانی و مالی نقصان ہورہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس جنگ سے تباہی صرف چیچنیا کی ہوتی ہے بلکہ روس کو بھی اس کی زبردست قیمت چکانی پڑ رہی ہے اس کی معیشت کی بنیادیں ہل گئی ہیں اور اس کے فوجیوں کی کثیر تعداد بھی اس میں کام آگئی ہے۔ چیچنیا کے صدر جنرل دودائیف کے بقول اس جنگ میں چیچنیا کے تیس ہزار شہری اور روس کے چودہ ہزار فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔

روسی استعمار سے چیچن مجاہدین کی نبرد آزمائی صدیوں پر محیط ہے۔ انہوں نے روس کا طوق غلامی پہننا کبھی بھی گوارا نہیں کیا۔ ہمیشہ نئے انداز اور نئے حوصلے کے ساتھ وہ روسی افواج کے طوفان کے سامنے سینہ سپر رہے ہیں۔ حریت پسندی کا جذبہ اور شوق شہادت ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ جنگی حکمت عملی کے ماہران مجاہدین کے لئے موجودہ حالات نئے نہیں ہیں اور ان حالات میں بھی ان کا جذبہ شہادت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ان کی خون میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ اسی شوق شہادت سے سرشار ہوکر صدیوں سے روسی استعمار سے پنجہ آزما ہیں اور آگے بھی اسی راہ پر چلنے کے عزم کا اعلان کرچکے ہیں۔ اپنے حوصلوں اور کارناموں سے انہوں نے یہ واضح کردیا ہے کہ وہ وحشی روسیوں کی طاقتور کلائی کو مروڑنے میں ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔

چیچنیا کے صدر جنرل دودائیف نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس جنگ کو روس کے شہروں تک پھیلائیں گے۔ یہ بظاہر ایک کوری اور خالی خولی دھمکی ہی محسوس ہوتی ہے لیکن اگر اس کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس دھمکی میں ایک زبردست طوفان پنہاں نظر آتا ہے۔ آج پوری دنیا میں اسلام اور کفر کے مابین کشاکش چل رہی ہے۔ امریکہ ہو یا فرانس، الجزائر ہو یا مصر، ترکی ہو یا ملیشیا، فلسطین ہو یا سوڈان۔ اسلام پسند ہر جگہ غالب ہوتے نظر آرہے ہیں اور ان کی بڑھتی قوت و مقبولیت سے حکمراں طبقے زبردست پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ان اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد جذبہ شہادت سے سرشار ہوکر ہر وہ حربہ اپنا رہے ہیں جس سے دشمن کو زیر کیا جاسکے۔ اس مقصد کے پیش نظر ان کی اپنی جانوں کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے اور وہ اپنی جانیں لٹاکر اس تحریک کی آبیاری کر رہے ہیں۔

اس وقت ان تحریکوں سے وابستہ افراد میں ایک نیا رجحان خودکش حملوں اور خودکش دھماکوں کا تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ اس طریقہ کار میں حملہ آور یا بمبار اپنے جسم پر ڈھیر سارا دھماکہ خیز مادہ باندھ کر دشمن کی صفوں میں پہنچ کر بٹن دبا دیتا ہے جس میں اس کی اپنی جان تو جاتی ہی ہے کئی دوسرے بھی ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس وقت فلسطینی مجاہدین کے لئے دشمن کو زیر کرنے کا یہ راستہ زیادہ آسان نظر آرہا ہے اور اب تک ایسے چودہ واقعات منظر عام پر آچکے ہیں۔ ادھر الجزائر میں بھی اسلامی تحریک خونیں مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ حالیہ بم دھماکہ جس میں چالیس افراد ہلاک ہوئے خودکش حملے کا شاخسانہ بتایا جارہا ہے۔ ان واقعات کے تناظر میں اگر دودائیف کی دھمکی کا جائزہ لیا جائے تو بڑی آسانی سے اس نتیجے پر پہنچا جاسکتا ہے کہ اب چیچن مجاہدین نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ چیچنیا کی جنگ پر نظر رکھنے والے مبصرین کا بھی یہی خیال ہے کہ اب چیچن مجاہدین انسانی بم کی شکل میں روسیوں پر گریں گے اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کرنے کی کوشش کریں گے۔

چیچنیا کا ایک سرفروش۔ انسانی بم بننے کی تیاری

دودائیف کا یہ کہنا کہ ہم اس جنگ کو روسی شہروں تک لے جائیں گے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ ان کے وفادار ساتھیوں نے کفن بردوش ہوکر روسی افواج کی صفوں کو منتشر کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جہاں تک دونوں ممالک کی فوجی طاقت کا سوال ہے تو ان میں کوئی مماثلت ہے ہی نہیں۔ اور چیچنیا کی فوجیں جو اپنے ہی ملک سے بھاگنے پر مجبور ہوگئی ہیں روس کو میدان جنگ کیسے بنا سکتی ہیں؟ دودائیف نے شاید یہ حکمت عملی ترتیب دی ہے کہ جس طرح روسی فوجیوں نے ان کے شہریوں پر بمباری کرکے انہیں تباہ و برباد کردیا ہے اسی طرح اب وہ بھی یلتسن کے شہریوں کو نشانہ بنائیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ روسی عوام کی ایک بہت بڑی اکثریت اور حکمراں طبقہ کا ایک ٹولہ اس جنگ کے حق میں قطعی نہیں ہے۔ خود روس میں بھی اس کے خلاف مظاہرے ہوتے ہیں اور بہت سی روسی مائیں اپنے بیٹوں کو محاذ جنگ سے واپس بلانے کے لئے چیچنیا تک پہنچ گئی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر روس میں ایک بھی خود کش دھماکہ ہوتا ہے تو اس کے خلاف زبردست رد عمل ہوگا اور یہ رد عمل یلتسن مخالفت کی شکل میں برآمد ہوگا۔ اگر دودائیف نے روس پر انسانی بم گرانے کا تہیہ کرلیا ہے تو یقینا اس سے روس میں زبردست ہنگامہ برپا ہوجائے گا اور یلتسن پر چاروں طرف سے اتنا دباؤ پڑنے لگے گا کہ انہیں مجبور ہوکر اپنی فوجیں بلانی پڑیں گی اور چیچنیا کی آزادی کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

شاید ذخار دودائیف نے اسی پہلو پر غور کرکے اپنی جنگی حکمت عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں کہ دو بدو جنگ سے وہ روس کو شکست نہیں دے پائیں گے۔ روس کو شکست دینے کے لئے ضروری ہے کہ روسی عوام کے جنگ مخالف جذبے کو ہوا دی جائے اور اسے اتنا بھڑکا دیا جائے کہ وہ یلتسن کو واپس ہونے پر مجبور کردیں۔ اس کے لئے بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے انسانی بم کے ذریعہ خودکش دھماکہ۔ ایسا لگتا ہے کہ چیچن مجاہدین بھی فلسطینی اور الجزائری مجاہدین کی مانند اس راہ پر چل پڑے ہیں۔

> اگر روس میں ایک بھی خودکش دھماکہ ہوتا ہے تو اس کے خلاف زبردست رد عمل ہوگا اور یہ رد عمل یلتسن مخالفت کی شکل میں برآمد ہوگا۔ اگر دودائیف نے روس پر انسانی بم گرانے کا تہیہ کرلیا ہے تو یقینا اس سے روس میں زبردست ہنگامہ برپا ہوجائے گا اور یلتسن پر چاروں طرف سے اتنا دباؤ پڑنے لگے گا کہ انہیں مجبور ہوکر اپنی فوجیں بلانی پڑیں گی اور چیچنیا کی آزادی کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

بقیہ: دودائیف کی دھمکی

ہے یہ رقم روس اپنی معاشی حالت سدھارنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ مونیٹری فنڈ کا وفد دراصل روس کی معاشی اصلاحات کا موقع پر جائزہ لینے کے لئے آیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ جنگ کا اثر روسی معیشت پر عام اندازے سے کہیں زیادہ پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دنوں روسی پارلیامنٹ نے 1995 کے بجٹ پر ووٹنگ کو کچھ دنوں کے لئے موخر کردیا ہے۔ دراصل بجٹ کو از سر نو تیار کیا جارہا ہے تاکہ جنگ پر اب تک جو خرچ آیا ہے (یعنی اندازا ایک بلین اور دو سو ملین ڈالر) اسے بھی مد نظر رکھا جاسکے اگر جنگ جلد ختم نہیں ہوتی، جیسا کہ آثار بتارہے ہیں، تو بورس یلتسن کے لئے یہ ایک مہنگا سودا ثابت ہوگی۔ روسی معیشت جو پہلے ہی خراب حالت میں تھی، مزید ابتر ہوجائے گی۔ اب اس امکان کو یکسر رد نہیں کیا جاسکتا کہ بگڑتی ہوئی روسی معیشت یلتسن کے زوال کا باعث بن سکتی ہے۔

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
محمد احمد سعید نے مسلم میڈیا ٹرسٹ کے لئے
الفا آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل 49 ابوالفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون: 6827018

صدارتی محل کا سقوط دوسری جنگ آزادی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ بقیہ ...... گروزنی

سوویت حکام میرے ہموطنوں سے بیس سال سے اس لئے لڑ رہے ہیں کہ انہیں ایک ایک کرکے ضم کردیں۔ مجھے اب یقین ہوگیا ہے کہ اس جنگ کا اصل مقصد مجموعی طور پر ہماری قوم کی تباہی ہے اسی لئے میں نے آزادی کی جد وجہد میں اپنے لوگوں کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کا عہد کرلیا ہے۔ میں یہ بخوبی سمجھ چکا ہوں کہ چیچنیا، انگشتیا اور ریج تو یہ ہے کہ تمام تر کاکیشیا کے لئے سرخ استعماریت کے شکنجے سے نجات پانا بہت مشکل ہوجائے گا۔ لیکن انصاف پر جبر آمیز یقین اور یہ امید کہ کاکیشیا اور دنیا کے حریت پسند عوام ہماری مدد کرنے کو آگے بڑھیں گے اس مہم کے لئے میری ہمت بندھاتی ہے۔ لوگ اسے حماقت و نادانی کہہ سکتے ہیں لیکن میں اسے واحد حل سے تعبیر کرتا ہوں۔ تحریک آزادی پہاڑی علاقوں میں سے سوویت اقتدار کے خاتمے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن ایک بار پھر اس کی زندگی خاصی مختصر نکلی۔

1942 میں سوویت فوج نے چیچنیا کے پہاڑی علاقوں میں ہوائی بمباری کی جن میں بہت سے شہریوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ 1944 میں چیچن باشندے اور شمالی کاکیشیا کی تمام قوموں کو زبردستی وسط ایشیا کی طرف نکال ڈھکیلا گیا اور اس خطے کی خود مختار حیثیت کالعدم ہوگئی۔ ان قوموں پر دھوکہ دہی اور نازی جرمنی سے ساز باز رکھنے کا الزام لگایا گیا حالانکہ ہٹلر کی فوجوں نے چیچنیا کی سرزمین پر کبھی قدم بھی نہ رکھا۔ بچے عورتیں اور ضعیف افراد مال گاڑیوں میں بھر کر دور دراز علاقوں کی طرف بھگا دیئے گئے۔ بعض تو دوران سفر ہلاک ہوگئے اور بعضوں نے واپسی کے بعد دم توڑا۔ اس طرح چیچنیا کی ایک تہائی آبادی ختم ہوگئی۔ اس طرح وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہوگئے ایک یہاں تو دوسرا وہاں انہیں ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے اور آپس میں ازدواجی رشتوں کو قائم کرنے کا حق بھی حاصل نہ تھا۔ سب کچھ ہونے پر بھی چیچن قوم کے حوصلے پست نہ ہوئے جیسا کہ الکزنیڈر سولزی نے گلاگ آرکی پلاگو میں ذکر کیا ہے۔ فوجی دستے اگر کسی سے خائف رہتے تھے تو وہ تھے چیچنیا کے لوگ۔

اسٹالن حکومت کے سیاہ کارناموں کے بارے میں بیسویں پارٹی کانگریس میں خروشچیف کی مشہور تقریر کا وسیع رد عمل ہوا جس میں انہوں نے مختلف گروہوں کو ملک بدر کئے جانے کی حد درجہ مذمت کی تھی۔ جو چیچنیائی باشندے حکومت کی اجازت کا انتظار کیے بغیر زبردستی وطن واپس آگئے تھے انہوں نے دیکھا کہ ان کی سرزمین کے حصے بخرے ہوچکے ہیں اور ان علاقوں پر اغیار کا قبضہ ہے۔ اور مرکز کی پالیسی کا جزیہ بھی تھا کہ وہاں کی ڈیموگرافی کو سرے سے بدل کر رکھ دیا جائے۔ گویا کہ مقامی آبادی کو حاشیہ پر پھینکنے اور اسے اپنے ہی وطن میں اقلیت بنا دینے کا عمل ریاستی حکمت عملی کے تحت انجام پذیر ہوا تھا۔

> چیچنیا میں روس کی فوجی مداخلت یلتسن حکومت کے جمہوریت کے دنوں کھوکھلے پن کا مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

1991 میں چیچنیا اور سابق سوویت یونین کی چودہ جمہوریتوں نے آزادی کا اعلان کردیا۔ حسب سابق ماسکو نے بھاری اکثریت سے صدارت کے عہدے کے لئے کامیاب ہونے والے صدر دودائیف کے انتخاب کو غیر جمہوری قرار دے کر ان کے خلاف اہانتی مہم کا بیڑہ اٹھایا۔ دنیا چیچن قوم کے وجود اور آزادی کے لئے ان کی طویل جنگ جیسے حقائق کی طرف سے ایک زمانے سے غافل ہے۔ کم ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ ستر سالہ سوویت حکومت کے سائے میں دو سو قوموں میں سے نصف کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ گروزنی میں صدارتی محل کا سقوط ایک دوسری طویل جنگ آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔ روسی فوجی مداخلت، یلتسن حکومت کے جمہوریت کے نعروں کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتی۔ اس وقت خاموشی اختیار کرکے اور چیچنیا کی جنگ کو روس داخلی کا معاملہ قرار دے کر کیا ہم استعماریت اور نسل کشی کو برحق ثابت نہیں کر رہے ہیں۔

کیریبیئن کی تاریک فضاؤں میں اسلام کی کرنیں

جنوبی امریکہ کے شمالی سرے پر واقع گیانا کے ایرپورٹ لے جانے والی شاہراہ پر ماہ رمضان میں الحمدللہ اور لیلۃ القدر کے بینز اور گھنے جنگلوں سے بھرے انگریزی بولنے والے ملک میں مسلمانوں کو مصروف عبادت دیکھ کر یقیناً کسی کو حیرت ہوگی۔ ایک مقامی مذہبی رہنما کے مطابق گیانائی تاریخ میں اسلام نے اہم کردار ادا کیا ہے اور آج مسلمان تقریباً ہر پیشے سے وابستہ ہیں اور ان کا مستقبل تابناک ہے

کیریبین قوموں کے درمیان چار لاکھ مسلمان جن کا تعلق مشرقی ہندوستان سے ہے تقریباً بارہ کیریبیائی جزیروں میں آباد ہیں جن میں بار باڈوس، گرناڈا، پیورٹوریکو، امریکی ورجن جزیرہ اور جمائیکا سر فہرست ہیں۔ تاہم مسلمانوں کی سب سے گھنی آبادی سرانیم میں ہے جہاں ایک لاکھ مسلمان بستے ہیں۔ اتنی ہی آبادی ٹوباگو میں ہے جب کہ گیانا میں یہ تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔

ان کے علاوہ مسلمانوں کا ایک کیریبیائی مرکز ترینداد بھی ہے۔ یہ تیل کی دولت سے مالا مال جزیرہ رقبے میں برونائی سے بھی چھوٹا ہے اور یہاں مغربی نصف کرہ کی سب سے زیادہ مسجدیں پائی جاتی ہیں جن کی تعداد 85 ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ترینداد کی اولین مسلمان آبادی کا تعلق مشرقی ہند سے نہیں بلکہ مغربی افریقہ کے مانڈنگو قبیلے سے ہے جس کے زیادہ تر افراد نے وسط اٹھارویں صدی میں اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن افریقی نژاد اور شرقی ہندی مسلم آبادی کا تناسب 1-20 کا ہے۔ عمر حسن کسول کی رپورٹ "ترینداد اور توباگو کے مسلمان" کے مطابق 1777 میں سب سے پہلے غلاموں کو ترینداد کے گنے کے کھیتوں میں کام کرنے کے لئے لایا گیا تھا اور 1802 تک ان کی تعداد بیس ہزار ہوگئی۔ 1930 میں پورٹ آف اسپین میں آباد مانڈنگو مسلمانوں کی ایک قوم کے افراد کو سینیگال سے پکڑ کر لایا گیا وہ عربی جانتے تھے اور اپنے ایک رہنما محمد بٹ کی قیادت میں رہنا پسند کرتے تھے جس نے قیمت دے کر خود کو غلامی سے آزاد کرا لیا تھا۔ وہ لوگ اپنی شناخت برقرار رکھنے اور افریقہ واپس لوٹنے کے لئے بے چین رہتے تھے۔

لیکن ہندستانی نوواردوں کے برخلاف زیادہ تر سیاہ فام غلام اپنے آبائی وطن سے رابطہ قائم نہیں رکھ پاتے تھے اور اسی لئے اسلام پر قائم رہنا بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوسکا۔

اگرچہ ترینداد میں مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کے صرف آٹھ فیصد حصہ پر مشتمل ہے لیکن تجارت اعلیٰ تعلیم اور صحافت کے میدانوں میں وہ خاصے نمایاں ہیں باقی آبادی 36 فیصد رومن کیتھولک، 23 فیصد ہندوؤں اور 13 فیصد پروٹسٹنٹ عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ ترینداد مسلمان زیادہ تر پورٹ آف اسپین میں ہیں۔ اور باقاعدہ کوئی مسلم محلہ یا علاقے کی صورت نظر نہیں آتی اور ایک ہی سڑک پر مسجد بیپٹسٹ چرچ اور ہندوؤں کے مندر تمام عبادت گاہیں ہیں۔ پاکستان کے پہلے صدر محمد علی جناح کے نام پر تعمیر کردہ جناح یادگاری مسجد سینٹ جوزف میں واقع جو اپنے بلند میناروں سے دور سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ مسجد ایک بار پچاس سینٹ کے ڈاک ٹکٹ پر بھی چھاپی گئی تھی اور اس میں ایک ہزار افراد باجماعت نماز ادا کرسکتے ہیں۔ دیگر اہم مساجد تونا پونا، کیوریپ، سان فرنانیڈجر اور ریوکلیرو میں ہیں۔

یہاں کئی مسلم تنظیمیں بھی ہیں جن میں سب سے بڑی تنظیم انجمن سنت والجماعت ہے جو 1930 میں قائم ہوئی اور 80 فیصد مسلمان اس کے حامی ہیں۔ دیگر تنظیموں میں ترینداد مسلم لیگ، اسلامک ٹرسٹ تبلیغی جماعت اور اسلامک مشنریز گلڈ آف ساؤتھ امریکا اور کیریبین کے نام آتے ہیں۔ لیکن جس میدان میں اسلام نے اس قوم کی نمایاں خدمت کی ہے وہ ہے ان کے اخلاق و سیرت کی تعمیر۔ مورخ برنسلی سمارو کا خیال ہے کہ اسلام نے ترینداد کے نظام اقدار کو کافی حد تک متاثر کیا ہے اور اس نے ہر رنگ و نسل کے معتقدین کو اپنی طرف مائل کیا ہے اور وہ بھی ایک ایسی قوم میں جس کے حکمرانوں نے ان پر تسلط جمانے کے لئے ہمیشہ رنگ و نسل کے امتیازات کا ہی سہارا لیا۔ ترینداد سے پیوست ٹوباگو میں بھی اسلام کا حلقہ بڑھ رہا ہے

> گیانا میں اس وقت 133 مسجدیں ہیں۔ جارجہ ٹاؤن میں مسجد دار السلام ہے جس کا جدید طرز تعمیر وہاں کی قدیم چوبی عمارتوں کے مقابل ایک حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ سرانیم کی چوتھائی آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مغربی نصف کرے میں کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

جہاں پہلے مسلمان رستم محمد نے پچاس سال پہلے اپنے بیٹے یوسف کے ساتھ قدم رکھا اور آج وہ ایک فعال گروہ کا حصہ ہیں اور دیگر گروہوں میں اپنے عقیدے کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔

برطانوی استعماریت کے مشترکہ ماضی سے وابستہ ہونے کے باوجود ترینداد اور گیانا دونوں ہی اقتصادی افق پر نمایاں مقام رکھتے ہیں ترینداد فی کس آمدنی میں مغربی نصف کرنے میں سرفہرست ہے۔ گیانا کا معاملہ مختلف ہے جس نے اقتصادی زوال کی تاریکی سے ابھی طلوع ہونا شروع کیا ہے۔ گیانا میں اس وقت 133 مسجدیں ہیں۔ جارجہ ٹاؤن میں مسجد دار السلام ہے جس کا جدید طرز تعمیر وہاں کی قدیم چوبی عمارتوں کے مقابل ایک حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ سرانیم کی چوتھائی آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مغربی نصف کرے میں کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ یہ ملک مختلف مذاہب اور نسلی گروہوں کے تئیں رواداری کی قدیم روایت کا رہین منت ہے۔ ہالینڈ کے یہودی پناہ گزینوں نے 1685 میں یہاں پر جنوبی امریکہ کا پہلا سینوگاگ تعمیر کیا۔ 1873 میں ہندوستان کے اردو بولنے والے مسلمانوں نے مزدوروں کی حیثیت سے یہاں آنا شروع کیا۔ 1902 میں جاوا سے انڈونیشیائی مسلمان یہاں آئے اور اسی کے چار سال بعد سرانیم کی پہلی مسجد وانیکا میں بنائی گئی۔ آج پورے سرانیم میں 150 مساجد ہیں۔

بقیہ : بچوں کی دنیا

احمق ہو۔ وہ تو بین کر رہی ہے" پھر وہ دوڑ پڑتیں کہ اسے تسلی دیں لیکن کیسے؟ وہ کبھی ایک طرف کو جاتی کبھی دوسری طرف کو جیسے شکایت کر رہی ہو کہ یہ دونوں اس کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔ پھر ایسا ہوا کہ بڑے میاں رو پڑے۔

"ٹھیک کہتی ہو بے چاری ٹھیک سمجھتی ہے کہ ہم اس کا خیال نہیں رکھتے"

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ سامنے والے گھر کی

بلی کھڑکی پر بیٹھ کر دھوپ کھانے لگی، بالکل بڑے میاں کے سامنے۔ بلی کے لئے یہ کھڑکی اور وہ چھت یہ گھر اور وہ گھر سب جیسے اس کے اپنے ہوں۔ وہ تو مزے سے دھوپ لے رہی تھی۔

یہ جو دونوں اپنے گھر کا دروازہ اور کھڑکیاں ہمیشہ بند رکھا کرتے تھے، کیا اسی لئے کہ کوئی بلی نہ آکر ان کی سنہری چڑیا کو کھا جائے؟ کیا بلی جانتی تھی کہ سنہری چڑیا ان دونوں کی جان ہے، ان کی وفات پائی ہوئی پوتی کی نشانی ہے؟ اور کیا بلی کو یاد ہے کہ جب ان کی چڑیا کو پکڑنے کے لئے اسے گھور رہی تھی تو بڑے میاں اسے پکڑ کر اس کی مالکن کے پاس لے گئے تھے کہ اب جو نظر آئی ہے تو۔ وہاں؟ کہاں؟ کس طرح؟ بلی کی مالکن۔ بوڑھا جوڑا۔ وہ کھڑکی؟ اور سنہری چڑیا؟

اور ایک دن وہ اسے کھا گئی۔ ہاں سنہری چڑیا کو بلی کھا گئی۔ ان کے گھر داخل ہوئی۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کدھر سے آئی اور کس طرح آئی شام کا وقت تھا۔ بڑی بی نے بس چیں چیں کی آواز سنی اور کہانی ختم۔ بڑے میاں دوڑے آئے۔ دیکھا تو سفید سی کوئی چیز باورچی خانے کی طرف سے بھاگی ہے اور جب فرش کی طرف دیکھا تو چند سفید اور سنہرے پر پڑے تھے پھر تو ایسی چیخ ماری کہ بڑی بی کے روکنے پر بھی انہوں نے پستول لے لیا اور پاگل کی طرح دوڑتے ہوئے سامنے والے گھر میں چلے گئے۔ وہ پڑوسن کو نہیں بلی کو مارنے گئے تھے۔ اور مارنا بھی چاہتے تھے بالکل پڑوسن کی نظروں کے سامنے۔ ڈائننگ روم میں بلی نظر آگئی جو خاموشی سے کپ بورڈ پر بیٹھی زبان سے منہ کو صاف کر رہی تھی۔ بڑے میاں نے ایک دو تین فائر بہت سے برتن جھنجھنا کر گر پڑے۔ پڑوسن کا بیٹا بندوق لئے آگیا اور اس نے بڑے میاں پر فائر کر دیا۔ حادثہ ہوگیا۔ بڑے میاں کو مردہ حالت میں ان کے گھر لے جایا گیا۔ گولی سینے پر لگی تھی وہ انہیں خون میں لت پت ان کی بوڑھی بیوی کے پاس لے گئے۔

پڑوسن کا لڑکا بستی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ دونوں گھروں میں رات بھر کہرام مچا رہا اور بلی جو سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ بڑے میاں کیوں فائر کر رہے تھے نہایت پھرتی سے جست لگا کر بھاگ گئی تھی اور اس وقت چھت پر بیٹھی وہ سفید بلی سر اٹھائے ستاروں کو دیکھ رہی تھی، ستاروں نے بھی نہ جانا کہ نیچے پہاڑوں کے درمیان اس چھوٹے سے گھر میں کیا ہوگیا ہے۔

بقیہ : بہار اسمبلی الیکشن

حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ان میں ایک حصہ دیرہ کہلاتا ہے جہاں 50 ہزار ووٹر ہیں جن میں 80 فیصد یادو ہیں۔ پورے اسمبلی حلقہ میں ایک لاکھ 91 ہزار 877 ووٹر ہیں جن میں 50 فیصد ووٹر یادو بتائے جاتے ہیں۔ حلقہ پر وزیر اعلیٰ لالو پرساد یادو کی پوری توجہ کی وجہ سے اب یہ ریاست کے اہم ترین انتخابی حلقوں میں سے ایک ہوگیا ہے۔

مارچ میں ہونے والے اسمبلی انتخابات میں کس پارٹی کو واضح اکثریت حاصل ہوگی یہ کہنا بہت ہی مشکل ہے۔ ویسے جنتا دل سمیت کانگریس آئی سمتا پارٹی بھارتیہ جنتا پارٹی اور پچاس سے زیادہ مختلف سنگین معاملات میں ملوث آنند موہن کی بہار پیپلز پارٹی نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ ریاست میں اگلی حکومت اس کی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے وعدے قبل از وقت ہیں کیونکہ جنتا دل کی پوزیشن بھی 1990 جیسی نہیں ہے جب کہ اس وقت وہ متحد پارٹی تھی۔ گذشتہ پانچ سالوں میں جنتا دل دو مرتبہ تقسیم ہوا۔ آخری تقسیم جارج فرنانڈس کی قیادت میں ہوئی اور اس گروپ نے سمتا پارٹی کے نام سے نئی پارٹی بنائی اس نے بہت ہی کم عرصہ میں پوری ریاست میں جس تیزی سے اپنا تنظیمی ڈھانچہ کھڑا کی اس سے جنتا دل کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس نے نئی پارٹی ہوتے ہوئے بھی تمام 324 نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کیے ہیں۔ سیاسی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ بعض حلقوں میں اصل مقابلہ جنتا دل اور سمتا پارٹی کے ہی امیدواروں میں ہوگا۔ ریاست میں سب سے خراب حالت کانگریس آئی کی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حالت بھی افسوسناک حد تک خراب ہے۔ کانگریس آئی کی سیاسی ساکھ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ لالو حکومت کی تمام تر ناکامیوں کے باوجود اس نے لالو حکومت کے خلاف گذشتہ پانچ برسوں کے دوران ایک بھی بڑا عوامی جلسہ یا ریلی نہیں کی اور نہ کوئی تحریک ہی چلائی۔ لالو حکومت کے خلاف کوئی بڑا محاذ بنانے یا کوئی بڑی تحریک چلانے میں ناکامی کے سب سے بڑی وجہ کانگریس آئی کے اندرونی اختلافات تھے جو آج بھی کم و بیش برقرار ہیں صرف الکشن کی وجہ سے عوام کے سامنے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پارٹی متحد ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے آل انڈیا کانگریس آئی کے جوائنٹ سکریٹری مسٹر سرفراز احمد کو اس وقت پارٹی کا ریاستی صدر بنایا گیا جب پارٹی بالکل بکھر چکی تھی اور ریاستی اسمبلی کے انتخابات سر پر آگئے تھے۔ ریاست میں کانگریس آئی کا ستارہ 1977 سے ہی گردش میں ہے اس وقت لوک سبھا انتخاب میں اس پارٹی کو ایک نشست بھی نہیں ملی تھی۔ 1980 کے لوک سبھا انتخاب میں اسے 31 نشستیں حاصل ہوئی تھیں۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی کے قتل کے بعد 1984 میں ہوئے لوک سبھا انتخابات میں اس نے 52 میں سے 40 نشستوں پر قبضہ کیا۔ 1989 میں اس کی حالت پھر خراب ہوگئی اور اسے لوک سبھا انتخابات میں صرف 4 نشستیں ملیں اور پھر 1991 کے وسط مدتی انتخابات میں یہ 4 نشستیں بھی اس سے چھین لی گئیں اور بہار سے لوک سبھا میں کانگریس آئی کی نمائندگی ختم ہوگئی۔ بعد میں ضمنی انتخاب میں مسز کرشنا شاہی کانگریس آئی ٹکٹ پر کامیاب ہوئیں اس طرح وہ بہار سے لوک سبھا میں کانگریس آئی کی واحد ممبر ہیں۔

1990 کے اسمبلی انتخابات میں جنتا دل نے 229 نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے اور اسے 120 نشستوں پر کامیابی ملی تھی۔ کانگریس آئی نے تمام 494 نشستوں پر انتخاب لڑا تھا اور اس نے 72 امیدوار کامیاب ہوئے تھے اور وہ اسمبلی میں دوسری سب سے بڑی پارٹی تھی، اس مرتبہ کئی نئی پارٹیاں بھی انتخابی میدان میں ہیں جن میں سمتا پارٹی، سماج وادی پارٹی بہوجن سماج پارٹی اور بہار پیپلز پارٹی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام پارٹیاں ایسی ہیں جو زیادہ تر جگہوں پر جنتا دل کا ووٹ ہی کاٹیں گی۔ ایسی حالت میں کسی بھی پارٹی کو واضح اکثریت حاصل ہونے کی امید نظر نہیں آتی۔ 1990 میں بھی جب کہ جنتا دل متحد تھا اور اس کی پوزیشن مضبوط تھی اسے واضح اکثریت حاصل نہیں ہوئی تھی اور اس نے بھارتیہ جنتا پارٹی اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے تعاون سے حکومت بنائی تھی بعد میں بی جے پی نے حکومت سے اپنی حمایت واپس لے لی تھی۔ پھر اس نے کچھ آزاد ممبروں اور بی جے پی سے جنتا دل میں شامل ہوئے کچھ ممبروں کی مدد سے یہ کمی پوری کی لیکن آخر وقت تک جنتا دل کی حکومت اقلیت میں ہی رہی البتہ لالو کی پوزیشن بہت خراب رہی اگلے الکشن میں جنتا دل کی پوزیشن پہلے سے مضبوط ہوتی ہے یا کمزور یہ تو وقت بتائے گا لیکن سیاسی مشاہدین کا خیال ہے کہ لالو کے مخالفین کے کئی خیموں میں بٹے ہونے کی بنا پر لالو یادو اس کا فائدہ اٹھائیں گے اور ان کی حکومت پھر بن سکتی ہے۔

اترپردیش میں وسط مدتی انتخابات کی دستک

ملائم سنگھ یادو کیا حکومت بچاپائیں گے

"سرمنڈاتے ہی اولے پڑے" کی کہاوت اترپردیش کی ملائم سنگھ حکومت پر یوں صادق آتی ہے کہ روز اول سے ہی ملائم سنگھ کی حکومت خدشات وخطرات کے نرغے میں ہے۔ اور ایک سال کی مدت مکمل کرلینے کے بعد بھی حکومت استحکام کی راہ پر گامزن ہونے کی بجائے سنگین مسائل اور خطرات سے دوچار ہوتی جارہی ہے درپیش مسائل اور خطرات کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ ملائم سنگھ حکومت دودھاری تلوار پر سفر کررہی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ ملائم سنگھ حکومت کو دو طرفہ مسائل وخطرات کا سامنا اسی دن سے ہے جس دن انھوں نے اترپردیش میں سماج وادی اور بہوجن سماج پارٹی کی مشترکہ اقلیتی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ ایک طرف اگر سیاسی وانتخابی حلیف کی حیثیت سے کانشی رام کی جانب سے وقتاً فوقتاً ملائم سنگھ کی سرزنش اور حمایت واپس لینے کی دھمکیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس کی جانب سے ریزرویشن مخالف تحریک کو ہوا دے کر ریاست میں بدامنی پیدا کرنے اور ملائم سنگھ حکومت کو اقتدار سے محروم کرنے کی سازشیں شروع ہوگئیں اور پھر یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ اتراکھنڈ کی علاحدگی کی تحریک اور مظفرنگر کے سانحے کو ڈھال بنا کر بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس دونوں نے ملائم سنگھ کی ناطقہ بندی کا تہیہ کرلیا۔ اور رفتہ رفتہ نرائن دت تیواری کی ہٹ دھرمی کے نتیجے میں کانگریس کی مرکزی قیادت نے بھی بالآخر ملائم سنگھ حکومت کو اپنی حمایت کی واپسی کا باضابطہ اعلان کردیا جس سے ایک ایسی صورت حال پیدا ہوچکی ہے کہ حکومت اپنی بقا کے دن انگلیوں پر گن رہی ہے۔ اور عدم اعتماد تحریک پیش کرنے کی تیاریوں میں مصروف کانگریس اور بھاجپا دونوں ملائم حکومت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے پر آمادہ ہیں۔

مبصرین کا خیال ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس دونوں میں ملائم سنگھ حکومت کے خلاف جو باہمی اتحاد ہے اس کا اصل سبب نہ تو اتراکھنڈ تحریک ہے اور نہ مظفر نگر کا واقعہ، بلکہ اصل وجہ ملائم سنگھ اور کانشی رام کی اتحادی حکومت کے ذریعہ ریاست میں دلتوں، پس ماندہ طبقات اور اقلیتوں کی فلاح کے لئے اٹھائے گئے اقدامات ہیں جس کے سبب بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس دونوں کو یہ احساس ستا رہا ہے کہ اگر دلتوں، پس ماندہ طبقات اور اقلیتوں کے باہمی اتحاد واشتراک سے قائم موجودہ حکومت اپنے پانچ سال پورے کرنے میں کامیاب ہوگئی تو ہندوتو اور برہمنی واعلیٰ ذات کی سیاست پر ایمان رکھنے والی یہ دونوں پارٹیاں سیاسی اعتبار سے ہمیشہ کے لئے دھول چاٹنے پر مجبور ہوجائیں گی، اور ان کے لئے سیاسی اقتدار کے حصول کا خواب پھر کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے گا۔

فرقہ واریت اور ذات پات کے اسی احساس برتری کی بدولت کانگریس اور بھاجپا دونوں اترپردیش میں ملائم سرکار کے خلاف اتحادی قوت کے طور پر آج سرگرم ہیں گرچہ کانگریس کی مرکزی قیادت اس حقیقت سے واقف ہے کہ ابھی ملک گیر سطح پر جو سیاسی فضا حاوی ہے اس میں اترپردیش کی ملائم سنگھ حکومت کے خلاف کوئی قدم اٹھانا خود اس کے حق میں سود مند نہیں ہوگا بلکہ ممکن ہے دیگر ریاستوں کے اسمبلی انتخابات میں بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہوں اور اسے اقلیتوں دلتوں اور پس ماندہ طبقات کی جانب سے غیض وغضب کا سامنا کرنا پڑے۔ یہی سبب ہے کہ وہ اس مسئلے کو اسمبلی انتخابات کے مکمل ہونے تک لٹکائے رکھنا چاہتی ہے۔

دوسری جانب بھاجپا ہندوتو اور اپنی فرقہ پرستانہ وجارحانہ سیاست کے سبب محفوظ ووٹ بینک کے تصور سے بدمست ہر اس سیاسی قوت کی جڑ کھود ڈالنا چاہتی ہے جو دلتوں، اقلیتوں اور پس ماندہ طبقات کی فلاح پر مبنی اور فرقہ وارانہ جارحیت کے عین منافی ہو۔ کیونکہ بھارتیہ جنتا پارٹی جس سیاسی راہ پر گامزن ہے وہ نہ صرف مذہبی عصبیت پر مبنی ہے بلکہ اس میں نسلی فاشزم کے عناصر بھی موجود ہیں اور جس کی لغت میں مذہبی رواداری ہم آہنگی، سماجی مساوات اور انصاف جیسا کوئی تصور موجود نہیں، یہی سبب ہے کہ اترپردیش میں ملائم سنگھ حکومت اور بہار میں لالو پرساد یادو کی حکومت کے دوران امن وامان اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی بھاجپا کے لئے زبردست سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ اور وہ ہمہ دم ان دونوں حکومتوں کا قلع قمع کرنے پر آمادہ ہے، خواہ بہانہ یا موقع کوئی بھی ہو۔

گذشتہ پہلی فروری کو کانگریس اور بھاجپا دونوں اتحادی پارٹیوں کی جانب سے ملائم سنگھ حکومت کی برطرفی کے لئے کیا گیا مظاہرہ اور ریلی اور پھر لگاتار حکومت مخالف سرگرمیاں اس بات کا کھلا اعلامیہ ہیں کہ اب اترپردیش میں ملائم سنگھ کی موجودہ حکومت اپنی مدت پوری کرنے سے پہلے ہی برخاست کردی جائے گی کیونکہ کانگریس ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات اور ان کے نتائج کی منتظر ہے اور عین ممکن ہے کہ انتخابات ختم ہوتے ہی بھاجپا اور کانگریس دونوں ملائم سنگھ یادو کے خلاف عدم اعتماد تحریک پیش کرکے حکومت کو گرانے کے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا دیں۔

> گذشتہ پہلی فروری کو کانگریس اور بھاجپا دونوں اتحادی پارٹیوں کی جانب سے ملائم سنگھ حکومت کی برطرفی کے لئے کیا گیا مظاہرہ اور ریلی اور پھر لگاتار حکومت مخالف سرگرمیاں اس بات کا کھلا اعلامیہ ہیں کہ اب اترپردیش میں ملائم سنگھ کی موجودہ حکومت اپنی مدت پوری کرنے سے پہلے ہی برخاست کردی جائے گی۔

دوسری جانب اس بات کا قوی امکان ہے کہ اپنی گردن پر لٹکی تلوار سے نجات حاصل کرنے کے لئے عوامی اعتماد سے سرشار ملائم سنگھ اور کانشی رام خود ہی اسمبلی کو تحلیل کرنے کا فیصلہ کرکے ریاست میں وسط مدتی انتخابات کی سفارش کر بیٹھیں، کیونکہ ریاست میں ملائم سنگھ اور کانشی رام حکومت کے قیام کے بعد سے دلتوں، پس ماندہ طبقات اور اقلیتوں کی فلاح کے لئے اٹھائے گئے اقدامات اور ریاست میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور امن وامان کی فضا نے حکومت میں عوامی اعتماد کو مزید مستحکم بنانے میں مدد کی ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ اگر انتخابات ہوئے تو حسب سابق دلتوں، پس ماندہ طبقات اور اقلیتوں کے باہمی اتحاد سے دوبارہ سماج وادی اور بہوجن سماج پارٹی کی حکومت قائم ہوجائے گی اور وہ بھی اکثریت کے ساتھ۔

ارجن سنگھ اور این ڈی تیواری، سیاسی داؤ پیچ میں غرق

بقیہ : ایمن راضی

منہ پر ضرب لگائی اور اسے لہولہان اور بیہوش حالت میں اسپتال لے جایا گیا۔

راضی کے دوست احباب رشتہ دار اور ساتھی اسے ایک حد درجہ منضبط اور وقت کے پابند نوجوان کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ جو نہ کبھی کسی سے مذاق کرتا تھا نہ مذاق کی بات سنتا تھا یہاں تک کہ اپنے بھائیوں کو نماز میں سستی برتتے ہوئے دیکھ کر ان کی گرفت کرتا، باپ سے سخت کلامی کرنے والے بھائی پر برہم ہوتا۔ باپ سے لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ اپنے کمرے میں اس کی ایک بڑی سی فریم لگی تصویر رکھتا تھا اور اسی فریم میں حماس کے جانبازوں کی تصویریں بھی تھیں۔ راضی کے ایک دوست خالد کا بیان ہے کہ موت سے قبل وہ حماس کا فعال رکن بن چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس کی ایک ڈائری دستیاب ہوئی جس میں کئی جگہ شوق شہادت اور حصول جنت کی خواہش کا ذکر ہے۔ حماس سے وابستہ مذہبی شخصیات اپنے ربط میں آنے والے نوجوانوں کے ذہنوں کو شہادت کے ذریعے جنت پانے کے لئے تیار کرتے ہیں جہاں زندگی تمام محرومیوں اور ناکامیوں سے پاک ہے اور ارض زندگی اس کی نعمتوں کو چھو بھی نہیں سکتی۔

راضی کے حالات صلاح سووی سے کافی ملتے جلتے ہیں جس نے گذشتہ اکتوبر میں تل ابیب میں ایک بس کو بم سے اڑا کر 22 افراد کو ہلاک کر دیا۔ صلاح نے اسرائیلی سپاہیوں کے ساتھ تصادم میں اپنے پندرہ سالہ بھائی کو گولی کا نشانہ بنتے دیکھا تھا اور یہ منظر جیسے اس کے حواس پر چھا گیا۔ اس کی موت کے صدمے اور اس سے پیدا شدہ مایوسی نے شہادت کا راستہ اختیار کرنے پر اسے آمادہ کیا۔ عین اسی طرح راضی کو اپنی جان قربان کرنے کے لئے جو چیز محرک بنی وہ تھی 18 نومبر کو غزہ میں ایک مسجد کے باہر عرفات مخالف مظاہرین پر فلسطینی سپاہیوں کی فائرنگ جسے فلسطین میں خونی جمعہ کا نام دیا گیا۔ اس ہنگامے میں چودہ فلسطینی جاں بحق ہوئے۔ بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ راضی کو عرفات کے فوجی ہیڈکوارٹر کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ پولس کے بیان کے مطابق اس نے ایک بار بھی گولی نہیں چلائی۔

اس کے رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ اس خونی واقعے سے راضی سخت دل برداشتہ تھا اور رہ رہ کر بے یقینی کے انداز میں یہی سوال کرتا تھا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون کیسے بہا سکتا ہے۔ حماس کے ملٹری ونگ سے وابستہ ایک شخص نے فارس کے نام سے خود کی شناخت کراتے ہوئے بتایا کہ دیگر کفن بردوش حملہ آوروں کی طرح راضی نے اپنی خدمات خود پیش نہیں کی تھی بلکہ اس کا تقرر کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ فارس نے یہ بتائی کہ حماس جذبات کی رو میں بہہ کر رضاکارانہ خدمات پیش کرنے والوں کو نہیں لینا چاہتی بلکہ ان لوگوں میں ہی دلچسپی رکھتی ہے جن کا انتخاب وہ خود کرتی ہو۔ بعض سرفروشوں کے خاندانوں کے برخلاف راضی کے اعزا نے اس کے اقدام پر فخر کا اظہار بالکل نہیں کیا۔ اس کے 57 سالہ باپ کا آج بھی یہی کہنا ہے کہ راضی بے حد مؤدب، خاموش طبع اور پرسکون رہنے والا نوجوان تھا لیکن کسے معلوم تھا کہ اس سکون کے پردے میں اس کے اندر ایک لاوا ابل رہا ہے اور یہ خاموشی ایک دن دھماکہ بن جائے گی اور اس کے وجود کو ختم کردے گی۔

شام کی بڑھتی فوجی قوت سے اسرائیل ہراسا

ایک بار شام کو تباہ کرنے کے بعد اب اسرائیل اس پر حملے کے تصور سے ہی گھبرانے لگ

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سوویت یونین کے زوال اور خاتمے کے بعد شام فوجی اعتبار سے کمزور ہوگیا ہے۔ مگر حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ سوویت یونین کے زوال اور جنگ خلیج کے بعد شام کی فوجی طاقت بڑھی ہے۔ اگرچہ اب بھی اتنی طاقتور نہیں مگر اب شامی فوج سرائیل سے آسانی سے شکست کھانے والی نہیں۔ شام کی فوجی طاقت میں اضافے ہی نے اسرائیل کو کچھ رعایتیں دینے پر مجبور کیا ہے۔

شامی صدر حافظ الاسد نے بار بار یہ کہا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات ایک مضبوط پوزیشن میں آنے کے بعد ہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ہمیشہ یہی مطلب نکالا گیا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ فوجی برابری چاہتے ہیں ان کا یہ دیرینہ خواب اب پورا ہوتا نظر آرہا ہے۔ اس ضمن میں حافظ الاسد کو پہلی مدد اس وقت ملی جب جنگ خلیج کے بعد امریکہ نے انعام کے طور پر وہ سارے اچھے ہتھیار جن میں ٹینک اور خود کار گن شامل تھیں، شام کو دے دیئے جو عراق سے چھینے گئے تھے۔ چونکہ امریکہ نے شام کو ایک دہشت گرد ملک قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ اس کی مالی مدد نہیں کرسکا مگر بوجوہ اس نے بعض نامعلوم یوروپی ممالک کو اس امر کے لئے آمادہ کیا ہے کہ وہ شام کو کئی سو ملین ڈالر کی امداد دیں اس کے ساتھ سعودی عرب نے شام کی مدد کی، خود جنگ کے دوران شام کو ڈیڑھ بلین ڈالر ملے۔ اس کے بعد بھی سعودی عرب اور کویت شام کی مالی مدد کرتے رہے ہیں۔ ساری رقم شام نے ہتھیار خریدنے پر خرچ کی ہے۔

سعودی عرب نے ہتھیار خریدنے کے لئے شام کی مدد اس لئے کی ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اسرائیل شام کو کمزور پاکر اس پر اپنی پسند کا امن معاہدہ مسلط کردے جیسا کہ اس نے جنگ لبنان کے دوران کوشش کی تھی۔ اسرائیل میں ایسے لوگ ہمیشہ رہے ہیں جو شام پر حملہ کرکے اسے ایک امن معاہدہ پر مجبور کرنے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کی رائے کے مطابق اگر اسرائیل گولان کی پہاڑی پر جنگ بندی لائن کو کراس کرکے دمشق پر حملے کردے تو 24 گھنٹے کے اندر ہی یہ شامی دارالحکومت کے قریب پہنچ سکتا ہے۔ مگر اب بعض ماہرین یہ کہتے ہیں کہ چند سال قبل ایسا کرنا ممکن تھا اب یہ ناممکن ہے۔ وہ ملتے ہیں کہ جس طرح 1973 میں اسرائیل نے فضائی حملہ کرکے شام کی فوجی وشہری سہولتوں کا زیادہ تر حصہ تباہ کردیا تھا، اس طرح چند سال قبل بھی اچانک حملہ کرکے اسرائیلی فوج یہ کارنامہ دہرا سکتی تھی مگر اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اب شام بھی کم وبیش اسرائیل کا انتہائی نقصان کرسکتا ہے جو وہ پہلے نہیں کرسکتا تھا اب دراصل شامی فوج دمشق اور لبنان دونوں محاذوں پر اسرائیلی فوج کی پیش قدمی کو بہ یک وقت روکنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جنگ میں اسرائیل کا پلہ بھاری ہوسکتا ہے مگر اب اسے ایسے کسی اقدام کے لئے وہ قیمت ادا کرنی پڑے گی جس کا وہ پہلے تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ شام کے پاس اس وقت زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائیل ہیں جن کے ذریعہ غیر روایتی بم بھی گرائے جاسکتے ہیں ان پر میزائلوں کی تباہی کا تصور کرکے ہی اب اسرائیل شام پر حملے کے تصور سے خوف کھاتا ہے۔

جب سوویت یونین قائم تھا تو شام کو دونوں ملکوں کے مابین جنگی معاہدہ کے باوجود اتنی فوجی طاقت نصیب نہیں تھی جو آج اسے حاصل ہے امریکی واسرائیلی ماہرین اس کی توجیہ وتشریح سے پہلو بچاتے ہیں مگر غیر جانبدار ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ ایسا کبھی اس لئے نہیں ہوسکا کیونکہ 1962 کے کیوبا میزائیل بحران کے بعد سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان ایک قسم کی مفاہمت ہوگئی تھی جس کے مطابق ماسکو نے کبھی بھی شام کو اسرائیل کی برابری حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی گورباچیوف کے اقتدار میں آنے کے بعد صورتحال اور بھی نازک ہوگئی۔ انہیں اسرائیلیوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ انہوں نے اقتدار میں آنے کے فورا بعد شام سے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا تھا کہ انہیں امید ہے کہ اسد اسرائیل سے امن پر تیار ہوجائیں گے چاہے انہیں دب کر اسرائیل کی کسی من پسندیدہ دستاویز پر دستخط کرنے پڑیں۔ شام کو مجبور کرنے کے لئے انہوں نے دمشق کو ہتھیاروں کی فروخت پر پابندی عائد کردی کچھ دنوں تک فالتو پرزوں کی سپلائی جاری رہی مگر بعد میں وہ بھی بند کردی گئی۔

سوویت یونین کے زوال کے بعد جب موجودہ روس معرض وجود میں آیا تو اس کے حکمرانوں نے شام پر واضح کردیا کہ وہ کریڈٹ کے بجائے فوری قیمت ادا کرکے ہتھیار خرید سکتا ہے۔ گورباچیوف کی بہ نسبت یلتسن کی پالیسی حافظ الاسد کے لئے سازگار ثابت ہوئی۔ کیونکہ پہلے کی بہ نسبت اب شام کے پاس سعودی عرب کویت اور بعض دوسرے نامعلوم یوروپی ممالک کا دیا ہوا پیسہ تھا جس سے اس نے روس کے بہترین ہتھیار خرید کر اپنی فوجی طاقت میں کافی اضافہ کرلیا۔ روس کے علاوہ شام نے شمالی کوریا اور سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد آزاد ہونے والے بعض دوسرے ممالک سے بھی اچھی کوالٹی کے ہتھیار خریدے ہیں۔ نئے ہتھیار ملنے کے بعد شام کی فوج اب پہلے کی بہ نسبت کہیں زیادہ مضبوط ہے۔

اسرائیل کے بعض حلقے یہ رائے بھی پیش کرتے ہیں کہ معاشی نقطہ نظر سے امریکی اب یہ محسوس کرتے ہیں کہ شام واسرائیل کے مابین معاہدہ ہوجانا چاہئے۔ اسی کے ساتھ امریکی مگر یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ شام دب کر معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے سعودی عرب کے تعاون سے خاموشی اور خفیہ طریقہ سے دمشق کو فوجی اعتبار سے کافی حد تک مضبوط ہونے دیا۔ اسرائیلی لیڈروں کو تو شروع میں ان کوششوں کا علم ہی نہیں ہوا اور جب علم ہوا تو کافی دیر ہوچکی تھی۔ اب انہیں احساس ہوا ہے کہ آج کا شام کافی مضبوط ہے اسے دبا کر امن معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کرنا اب آسان نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ تل ابیب پہلے کی بہ نسبت زیادہ رعایتیں دے کر شام کے ساتھ امن معاہدہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر اب شام اپنی ... کرکے اسرائیل سے گو... سمجھوتہ کرنے کے خلاف... اسرائیل کے لئے فوجی ا... علاوہ ایک جذباتی مسئلہ... قربانی اسرائیل کو دینی ہی... کے ساتھ امن کا خواستگار...

> جس طرح 1973 میں اسرائیل نے فضائی حملہ کرکے شام کی فوجی وشہری سہولتوں کا زیادہ تر حصہ تباہ کردیا تھا اس طرح چند سال قبل بھی اچانک حملہ کرکے اسرائیلی فوج یہ کارنامہ دہرا سکتی تھی مگر اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اب شام بھی کم وبیش اسرائیل کا انتہائی نقصان کرسکتا ہے جو وہ پہلے نہیں کرسکتا تھا اب دراصل شامی فوج دمشق اور لبنان دونوں محاذوں پر اسرائیلی فوج کی پیش قدمی کو بہ یک وقت روکنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

وزیراعظم حزب اختلاف کے نشا

اسرائیلی سیاست میں اتھل

جب اوسلو میں یاسر عرفات، اسحاق رابن اور شمعون پیریز نے نوبل انعام وصول کیا تو اس کے کچھ ہی گھنٹوں بعد اسرائیل کے دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے سیاسی مبصرین نے اس کے کھوکھلے پن کا انکشاف کرنا شروع کردیا۔ اگرچہ تینوں لیڈر اس موقع سے خوب لطف اندوز ہوئے کیونکہ ایک دنیا اس وقت ان کی طرف تحسین کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مگر اس اہم واقعے کے چند گھنٹے بعد سارا مزا اس وقت کرکرا ہوگیا جب تینوں رہنما امن مذاکرات کے تعطل کو توڑنے میں ناکام ہوگئے۔

نوبل امن انعام وصول کرنے کی تقریبات کی اکثر اسرائیلیوں نے تحسین تو کی مگر کسی قسم کی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اسرائیلی ٹیلی ویژن نے بلاشبہ اس واقعے کو بہت بڑھا کر پیش کیا تھا مگر عام آدمی نے اسے کوئی عظیم کارنامہ سمجھ کر خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ہاں البتہ لیکوڈ نے اس تقریب میں رابن کی شرکت کو لے کر لیبر پارٹی کو آڑے ہاتھوں لیا۔ انہوں نے رابن اور شمعون پیریز کو عرفات کا ساتھی کہہ کر عام اسرائیلیوں کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی مگر اس میں انہیں کچھ خاص کامیابی نہیں ملی۔

لیکوڈ نے اس کے بعد اپنی پالیسی بدل دی۔ انہوں نے بین الاقوامی سطح پر رابن کی کارکردگی کو نشانہ بنانے کے بجائے اندرون ملک ان کی ناکامیوں کو اجاگر کرنے پر توجہ صرف کرنی شروع کردی، انہوں نے محسوس کیا کہ خراب معاشی کارکردگی اور شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے میں حکومت کی ناکامی سے لوگوں کے دلوں میں لیبر پارٹی کے خلاف جو غصہ پیدا ہوگا اسے سفارتی سطح پر حاصل کی گئی کامیابیوں سے کم نہیں کیا جاسکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ لیکوڈ اب رابن کی خارجہ پالیسی کی اچھی بری کارکردگی کو نشانہ بنانے کے بجائے ان کی داخلہ پالیسیوں کی ناکامی پر توجہ دے رہی ہے۔ لیکوڈ کے موجودہ صدر نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کے بعد نہ صرف لیبر پارٹی کے مقابلے میں بلکہ خود اپنی پارٹی میں اپنی پوزیشن کافی مستحکم کرلی ہے۔

> لیکوڈ اب رابن کی خارجہ پالیسی کی اچھی بری کارکردگی کو نشانہ بنانے کے بجائے ان کی داخلہ پالیسیوں کی ناکامی پر توجہ دے رہی ہے۔ لیکوڈ کے موجودہ صدر نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کے بعد نہ صرف لیبر پارٹی کے مقابلے میں بلکہ خود اپنی پارٹی میں اپنی پوزیشن کافی مستحکم کرلی ہے۔

جب ستمبر 1993 میں اوسلو میں پی ایل او اور اسرائیل کے مابین امن معاہدہ پر سمجھوتہ ہوا تھا تو اس وقت لیکوڈ نے اس کی سخت تنقید کی تھی۔ مگر انہوں نے جو اجتماعات منعقد کئے اس میں انہوں نے محسوس کیا کہ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے نوآبادکاروں کی (Settlers) تعداد زیادہ تھی۔ لیکوڈ کے روایتی ووٹر ان اجتماعات میں خال خال نظر آتے۔ کیونکہ یہ لوگ یا تو اوسلو معاہدے کے حق میں تھے یا اس کے بارے میں ابھی کوئی رائے قائم نہ کرکے انتظار کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ لیکوڈ کے ووٹروں اور حامیوں کے اس موڈ کو بھانپتے ہوئے اس کے تین ممبروں نے پارلیمنٹ میں اوسلو معاہدے کی مخالفت سے انکار کردیا تھا۔ مگر اس انکار کے باوجود ان کا کوئی سیاسی نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس رونی میلو نے جو لیکوڈ کے موجودہ سربراہ کے مخالف ہیں، تل ابیب کی میئر شپ کا انتخاب جیت لیا۔

اس وقت لیکوڈ پارٹی کی اندورنی سیاست گویا ایک طرح کے انتشار کا شکار تھی، اس صورتحال کا فائدہ اٹھا کر لیکوڈ صدر نتانیاہو (Netanyahu) کے ازلی دشمن ایریل شیرون اور ڈیوڈ لیوی نے ان پر سخت حملے کرکے پارٹی میں ان کی پوزیشن کافی کمزور کردی تھی۔ نتانیاہو کے ترکش میں ایسے تیر تھے جن سے وہ شیرون اور یہودی کے حملوں کا ... کرنے کے بجائے انہوں ... کی۔ چالاک نتانیاہو اس ... کب غلطی کرتی ہے کہ و... طریقے سے استعمال کر... دشمنوں کا منہ بند کرسکیں ... نتانیاہو کی انتظار کی ... بدلتے سیاسی منظر پر انہیں ... سے مدد مل رہی ہے۔ و... بات کے لئے تنقید نہ...

امن کی آڑ میں اسرائیل فلسطین کو ہڑپنا چاہتا ہے

یروشلم یہودی نوآبادیوں کے نرغے میں

اسرائیل نوآبادکاروں کے لئے فلسطینیوں سے ہتھیائی ہوئی زمین پر 30ہزار نئے مکانات تعمیر

عام فلسطینی اسرائیل کی زمین ہتھیانے کی پالیسی کے سخت خلاف ہیں۔ عرفات کے ایک وزیر نے کہا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن کے ساتھ تو رہ سکتے ہیں مگر مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں یہودی نوآبادیوں کے ساتھ امن ناممکن ہے۔

کرنے کی تیاری میں مصروف ہے۔ اس پلان کا اعلان دو جنوری کو کیا گیا۔ اس کے بعد کم ہی فلسطینیوں کو اس امر میں شبہ باقی رہا ہے کہ اسرائیل امن کے بجائے فلسطینی زمینوں کو ہتھیانے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اسحاق رابن کے سامنے بارہا یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ آیا وہ امن چاہتے ہیں یا زمین۔ لگتا ہے اسرائیلی وزیر اعظم فلسطینی زمینوں پر اسرائیلیوں کو آباد کرنے کے زیادہ شوقین ہیں نہ کہ امن کے۔

فلسطین و اسرائیل کے مابین امن مذاکرات پہلے ہی سرد مہری کا شکار ہیں۔ اسرائیل کی نئی زمینیں ہتھیانے کی پالیسی نے اس پر مزید پانی ڈال دیا ہے۔ فلسطینیوں کے مطابق ستمبر 1993ء میں ہوئے اوسلو معاہدے اور بعد میں واشنگٹن میں دستخط کئے گئے اعلامیہ میں اصول و ضوابط کے مطابق مغربی کنارے پر اسرائیلی نوآبادکاری کو اس وقت تک کے لئے روک دینا تھا جب تک کہ اس مقبوضہ علاقے کی مستقل حیثیت سے متعلق مذاکرات نہیں شروع ہوتے۔ مگر اکثر فلسطینیوں کو اب یہ یقین ہونے لگا ہے کہ جب تک یہ مذاکرات شروع ہوں گے اس وقت تک شاید مذاکرات کے لئے کچھ باقی ہی نہ رہے۔

یہ نیا مسئلہ اس وقت شروع ہوا جب یروشلم کے قریب عفرات نوآبادی کے قریب یہودیوں نے 125 ایکڑ زمین پر نئے مکانات بنانے کی کوشش کی۔ یہ 22 دسمبر کا واقعہ ہے۔ یہ زمین، عفرات ہی کی طرح، مغربی کنارے کا حصہ ہے۔ ایک فلسطینی گاؤں القادر کے باشندوں کا کہنا ہے کہ یہ زمین ان کی ہے۔ چنانچہ اس کی حفاظت کے لئے انہوں نے مظاہرے شروع کردیے۔ اسرائیلی فوج سے ان مظاہرین کا ٹکراؤ ہوا اور اسکے بعد یہ احتجاج دوسرے گاؤں تک پہونچ گیا۔

اس صورت حال کے پیش نظر اسحاق رابن نے ایک مصالحتی منصوبہ پیش کیا جسکے مطابق القادر گاؤں کے قریب نئی یہودی آبادی نہیں بسائی جائے گی بلکہ عفرات ہی سے لگی ہوئی زمین پر 268 مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔ فلسطینیوں نے تو اسے یہ کہکر مسترد کردیا کہ یہ اوسلو معاہدہ کے خلاف ہے۔ مگر دائیں بازو کے یہودیوں نے رابن کو اس بات کے لئے آڑے ہاتھوں لیا کہ انہوں نے "فلسطینی دہشت گردی" کے سامنے سرنگوں کردیا ہے۔

1967ء میں مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد 1968ء میں اسرائیل نے ایک قانون بنایا تھا جسکے مطابق وہ مقبوضہ علاقوں میں کسی بھی زمین کو تحفظ دینے اور دوسرے عوامی مقاصد کے لئے سرکاری تحویل میں لے سکتا ہے۔ 1980ء میں بنائے گئے ایک دوسرے قانون کے مطابق مغربی کنارے اور غزہ پٹی کی وہ ساری زمین جس کا رجسٹریشن نہ ہو "اسٹیٹ پراپرٹی" ہوگی۔ یہ "اسٹیٹ پراپرٹی" لوگوں کو بیچی بھی جاسکتی ہے۔ ان دونوں احکام یا قوانین کے بعد مغربی کنارے کی 60 اور غزہ پٹی کی 40 فیصد زمین اسرائیلی ریاست کی تحویل میں آگئی ہے۔ القادر کے گاؤں کے پاس کی

اسرائیلی حکومت دراصل ایک پروگرام کے مطابق کام کررہی ہے۔ 1988ء سے مسلسل یہودی فلسطینی زمین ہڑپ کرتے رہے ہیں اور ابھی تک ان کا پیٹ نہیں بھرا ہے۔ دراصل وہ یروشلم کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ اسکا موجودہ کردار بدلنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسے چاروں طرف سے یہودی نوآبادیوں کے ذریعہ گھیر دینا چاہتے ہیں۔

زمین بھی 1980 کے قانون کے مطابق اسٹیٹ پراپرٹی ہے جسے حکومت سے نوآبادکاروں نے خرید لیا ہے۔

فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ اوسلو معاہدے کے بعد مذکورہ بالا سارے قوانین خود بخود غلط قرار پاتے ہیں۔ خود یاسر عرفات نے اسی بنیاد پر اسحاق رابن سے براہ راست احتجاج کیا ہے۔ مگر ان کی پریشانی یہ ہے کہ اوسلو معاہدے میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمارتیں تعمیر نہ ہوں گی بلکہ صرف یہ مذکور ہے کہ ان نوآبادیوں کے مستقبل کے بارے میں مذاکرات کو سردست ملتوی کردیا جاتا ہے۔ جب تک یہ مذاکرات نہیں ہوتے اس وقت تک یہ نوآبادیاں اسرائیل کے قبضہ اور تحفظ میں رہیں گی۔

اسرائیل نے 1992ء میں مقبوضہ علاقوں میں نئی یہودی آبادیوں کی تعمیر پر پابندی عائد کردی تھی۔ اس پابندی کا مقصد دراصل یہ تھا کہ امریکہ 10 بلین ڈالر قرض کے لئے ضمانت دے دے جو اس نے نئی عمارتوں کی تعمیر کے خلاف اقدام کے طور پر دینے سے انکار کردیا تھا۔ اب چونکہ اسرائیل کے سامنے ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے اس لئے وہ نئی عمارتوں کی تعمیر سے باز نہیں آنا چاہتا۔

اسرائیلی حکومت دراصل ایک پروگرام کے مطابق کام کررہی ہے۔ 1988ء سے مسلسل یہودی فلسطینی زمین ہڑپ کرتے رہے ہیں اور ابھی تک ان کا پیٹ نہیں بھرا ہے۔ دراصل وہ یروشلم کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ اسکا موجودہ کردار بدلنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسے چاروں طرف سے یہودی نوآبادیوں کے ذریعہ گھیرنا چاہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے وہ آئے دن فلسطینی زمینوں پر نئی عمارتیں تعمیر کرتے رہتے ہیں۔ پہلے ہی یروشلم میں عربوں کی آبادی یہودیوں سے کہیں کم ہوگئی ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے آس پاس عربوں کو اپنی ہی زمین جسے اسرائیل نے ہتھیالیا ہے، خرید کر نئے مکان تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

صرف یروشلم ہی نہیں بلکہ اسرائیل ان یہودی آبادیوں کو بھی چھوڑنے یا خالی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا جو پہلے ہی مغربی کنارے پر آباد کی جاچکی ہیں۔ ان نوآباد یہودیوں کو تحفظ فراہم کرنے کے نام پر ایک کئی سو کلومیٹر لمبا روڈ بھی تعمیر کیا جا رہا ہے جس سے ان ساری آبادیوں کو ایک دوسرے سے ملادیا جائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ اسرائیل نے فلسطینیوں کی مزید زمینیں ہڑپ کرنے کا نہ صرف ایک ناپاک منصوبہ بنالیا ہے بلکہ اس پر عمل درآمد بھی شروع کرچکا ہے۔ یاسر عرفات نے اس پر احتجاج بھی کیا ہے۔ مگر ان کے پاس اب اور ہے بھی کیا؟

مگر عام فلسطینی اسرائیل کی زمین ہتھیانے کی پالیسی کے سخت خلاف ہیں۔ عرفات کے ایک

1967ء میں مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد 1968ء میں اسرائیل نے ایک قانون بنایا تھا جسکے مطابق وہ مقبوضہ علاقوں میں کسی بھی زمین کو تحفظ دینے اور دوسرے عوامی مقاصد کے لئے سرکاری تحویل میں لے سکتا ہے۔ 1980ء میں بنائے گئے ایک دوسرے قانون کے مطابق مغربی کنارے اور غزہ پٹی کی وہ ساری زمین جس کا رجسٹریشن نہ ہو "اسٹیٹ پراپرٹی" ہوگی۔

وزیر نے کہا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن کے ساتھ تو رہ سکتے ہیں مگر مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں یہودی نوآبادیوں کے ساتھ امن ناممکن ہے۔ یہ تو ایک ہلکی دھمکی ہے ایک ایسے شخص کی جانب سے جو دہشت گرد یہودی ریاست کے ساتھ امن کا حامی ہے۔ حماس اور اسلامی جہاد کے ردعمل کے بارے میں کوئی بھی اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس امر میں نہ تو یاسر عرفات اور نہ ہی اسحاق رابن کسی قسم کے شبہے کا شکار ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا شخص جو مغربی ایشیا کے حالات سے واقفیت رکھتا ہے۔

Settlements سے متعلق اپنی غیر دانشمندانہ پالیسی کی وجہ سے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ امن مذاکرات میں تعطل کی وجہ سے عرفات کی پوزیشن دن بہ دن کمزور ہورہی ہے جس کا فائدہ براہ راست حماس کو پہونچ رہا ہے۔ اور چونکہ حماس اور اس کی حامی اسلامی تنظیمیں اسرائیل پر حملے کرکے اسے نقصان پہونچارہی ہیں جس سے اسرائیلی عوام اسحاق رابن سے بتدریج ناراض ہوتے جارہے ہیں۔ لیکڈ نے اسی عوامی ناراضگی سے فائدہ اٹھایا ہے۔

اسحاق رابن کی بعض دوسری غلطیوں نے بھی نتانیاہو کی مدد کی ہے۔ رابن کے اپنے اکثر

رابن کے اپنے اکثر وزیروں سے تعلقات خراب ہیں جس کا لیکڈ بھرپور فائدہ اٹھارہی ہے۔ دوسری غلطی رابن نے یہ کی ہے کہ تل ابیب اسٹاک ایکسچینج سے حاصل شدہ منافع پر ٹیکس عائد کردیا ہے جس سے متوسط طبقہ کا ووٹر بہت ناراض ہے۔

وزیروں سے تعلقات خراب ہیں جس کا لیکڈ بھرپور فائدہ اٹھارہی ہے۔ دوسری غلطی رابن نے یہ کی ہے کہ تل ابیب اسٹاک ایکسچینج سے حاصل شدہ منافع پر ٹیکس عائد کردیا ہے جس سے متوسط طبقہ کا ووٹر بہت ناراض ہے۔ یہ لوگ اوسلو معاہدے کے حامی ہیں مگر شاید یہ لوگ جون 1996 کے انتخابات میں نتانیاہو کے حق میں ووٹ دیں یہ امید کرتے ہوئے کہ وہ امن مذاکرات کو ختم کرنے کے بجائے انہیں زیادہ بہتر اور محتاط انداز میں جاری رکھیں گے۔

ووٹروں کا موڈ دیکھ کر لیکڈ کے لیڈروں کو یہ احساس ہونے لگا کہ وہ آئندہ عام انتخابات میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیرون اور لیوی اب نتانیاہو کی مخالفت سے تقریبا باز آگئے ہیں۔ یقینی طور پر اپنے مصالحانہ رویے کے ذریعہ وہ نتانیاہو سے انتخابی فتح کے بعد انعامات کا مطالبہ کریں گے۔ شیرون وزارت دفاع اور لیوی وزارت خارجہ کے امیدوار ہوسکتے ہیں۔ اگر لیکڈ انتخابات میں فتح حاصل کرتی ہے تو شیرون اور لیوی کو اپنے مصالحانہ رویے کا پھل مل بھی سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت نتانیاہو تو انہیں نظرانداز کرنا ممکن نہ ہوگا۔

سی ۔آئی ۔اے ۔کے سربراہ کا استعفی

کانگریس اور سینٹ کی گرتی ساکھ کا شاخسانہ یا اپنے ملک سے غداری

امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے سربراہ آر جیمز وولسی نے ایک سوویت جاسوس کے ہاتھوں ایجنسی کے قیمتی راز فروخت کیے جانے پر اپنے عہدے سے مدت کے خاتمے سے قبل ہی استعفی دیدیا ہے اور اسے امریکی صدر بل کلنٹن نے افسوس کے ساتھ منظور کرلیا۔

وولسی نے امریکی خفیہ ایجنسی کے طریقہ کار میں خاصی تبدیلی لانے کی کوشش کی تھی لیکن آخر میں وہائٹ ہاوس اور کانگریس کے اندر دونوں جگہوں کی فضا میں ڈرامائی طور پر تبدیلی آگئی۔ امریکی انتظامیہ کے ذمہ داران کا کہنا ہے کہ نیشنل سیکورٹی کونسل جس کے ممبران میں صدر، نائب صدر وزراء خارجہ ودفاع وغیرہ ہیں، حالات کو بدلنے کی غرض سے سراغ رسانوں کی کارروائیوں پر نظرثانی کر رہے ہیں۔ مذکورہ حکام کے خیال میں وولسی کا استعفی اچانک سامنے آیا ہے اور دیگر تجربہ کار ذمہ داران کا کہنا ہے کہ صدر کلنٹن وولسی کو اس عہدے سے ہٹانے کے لئے کئی ماہ سے سوچ رہے تھے۔

واشنگٹن میں ذمہ داران کا بیان ہے کہ اس طرح ان کے کیریر میں اچانک جب تبدیلی واقع ہوتی ہے تو وہ زیادہ عرصے تک آرام کرنا چاہتے ہیں ابھی ایک عشرہ پہلے وولسی نے ایک جگہ کھلے عام کہا تھا کہ ان کے عہدہ سے سبکدوشی یا دست برداری کا کوئی امکان نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ الڈرک ایمس کے جاسوسی کے معاملے کا یہ دوسرا شکار جال میں آیا ہے اور وولسی کی رخصتی کو امریکی کانگریس میں دونوں حلقوں نے خوش آمدید کہا ہے۔ دیوک کے سب سے بڑے ناقد امریکی سینٹ کی انٹلی جینس کمیٹی کے چیرمین ڈینس ڈیکون سیتی نے کہا کہ صدر کے لئے اچھا موقع ہے کہ کسی ایسے شخص کو لائیں جو واقعی بعض تبدیلیاں لانے کے لئے تیار ہو۔

ایوان نمائندگان کی سراغ رسانی کمیٹی کے ایک نمائندے رابرٹ ٹوری سلی نے کہا کہ "کانگریس کے زیادہ تر ممبران وولسی کے استعفی پر اطمینان کا سانس لیں گے"۔ سی آئی اے کے کئی حلقوں میں بار بار کھلبلی اس بنا پر مچی رہی ہے کہ اس کی ابتداء اس خبر سے ہوئی کہ سی آئی اے کا کاونٹر انٹلی جینس آفیسر آٹھ سال تک اگرچہ ایمس کے زیادہ تر سراغ رسانی کے واقعات وولسی کے عہدہ سنبھالنے سے پہلے کے ہیں تاہم انہیں اس بات پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ انہوں نے ایمس کے نگراں افسران کے خلاف کوئی تادیبی اقدام نہیں کیا۔ ایجنسی کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے بجٹ، "رازدارانہ نظام" کی تشکیل کے پروجیکٹ پر بے تحاشا خرچ اور جنسی بے راہ روی کے لئے بھی غیض وغضب کا سامنا کرنا پڑا۔ ڈیموکریٹک حلقے کے ممبران جو سی آئی اے کی غلطیوں کے اعتراف کے سلسلے میں ہونٹ سی لینے پر وولسی سے ناراض ہیں وہی ان کے سب سے بڑے ناقد ہیں۔ تاہم اس اقدام میں سب سے بڑی وجہ ان کا خاندان ہے جو لمبے عرصے تک اپنے درمیان ان کی موجودگی سے محروم رہا ہے اور اب ان محرومیوں کے ازالے کا وقت آگیا ہے۔

> وولسی نے امریکی خفیہ ایجنسی کے طریقہ کار میں خاصی تبدیلی لانے کی کوشش کی تھی لیکن آخر میں وہائٹ ہاوس اور کانگریس کے اندر دونوں جگہوں کی فضا میں ڈرامائی طور پر تبدیلی آگئی۔

اس دوران صدر کلنٹن نے وولسی کے سر امریکی سراغ رسانی کو سرد جنگ کے بعد کے زمانے میں ایک نئی شکل دی ہے۔ وہائٹ ہاوس کے ایک بیان میں کہا گیا کہ وولسی سراغ رسانی کو ایسی صلاحیت سے آراستہ کرنے کے پرجوش حامی رہے ہیں جس کی دنیا میں کوئی مثال نہ مل سکے۔ صدر بش کے دور حکومت میں سی آئی اے کے ڈائرکٹر اور ہاوس انٹلی جنس کمیٹی کے بعض ممبران نے بھی وولسی کی عمدہ کارکردگی کی تعریف کی۔

53 سالہ وولسی نے کانگریس کے ساتھ دوستانہ

سی آئی اے کے سابق سربراہ وولسی

فضا میں اپنا عہدہ سنبھالا تھا اور سینٹ نے بھی آسانی سے اسے مستقل کر دیا تھا لیکن ایمس کے اعتراضات کے بعد سے سینٹ سے اس کے تعلقات کشیدہ رہنے لگے۔ وولسی نے اس بات پر سی آئی اے کے کسی کارکن کو برخاست یا اس کے عہدے میں تنزلی کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا کہ ان کی تساہلی کی بناء پر ایمس اتنے لمبے عرصے تک آزادانہ طور پر امریکی خفیہ رازوں کا سودا کرتا رہا۔ اس کے بجائے گیارہ سینئر منیجروں کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔

ایمس نے جس کی گرفتاری فروری میں عمل میں آئی اور جسے اپریل 1994 میں عمر قید کی سزا دی گئی اعتراف کیا کہ وہ 1985 سے پورے آٹھ سال تک امریکی قومی حفاظتی نظام سے متعلق اہم راز ماسکو کے ہاتھ فروخت کرتا رہا۔ وہ امریکی سراغ رسانی کے محکمے میں 31 سال کام کرنے کا تجربہ رکھتا تھا۔ وولسی کے طریقہ کار کی تنقید محض ایمس کے معاملے تک ہی محدود نہیں تھی۔ ورجینیا اسٹیٹ کے نواح میں 310 ملین ڈالر کی لاگت سے تعمیر کردہ نیشنل ری کناسنس آفس کے انکشاف کا کانگریس ممبران نے سی آئی اے پر یہ الزام لگایا کہ انہیں اس آفس کے تعمیری منصوبے سے متعلق ضروری تفصیلات اور اعداد وشمار درست طور پر انہیں فراہم نہیں کئے گئے تھے۔

وولسی کی مدت ملازمت کے دوران جنسی اسکنڈل کا مقدمہ بھی منظر عام پر آیا جس میں ایک خاتون نے الزام لگایا تھا کہ ترقی کے معاملے میں اپنی گلو خلاصی کے لئے اس عورت کو چار لاکھ دس ہزار ڈالر کی رقم ادا کرنی پڑی۔ نیز یہ کہ سرد جنگ کے بعد کے زمانے میں جب سراغ رسانی کی مہم خاصی ہلکی پڑگئی تھی اس وقت بھی وولسی نے سی آئی اے کے تین بلین ڈالر کے بجٹ میں کسی تخفیف کی شدت سے مخالفت کی تھی۔

■ ■

عرب دشمنی کے لئے بدنام

امریکہ میں موجود دو طاقتور یہودی لابیاں

امریکہ میں موجود یہودی لابی اپنی عرب دشمنی کے لئے بدنام ہے ۔ یہ یہودی لابی ہمیشہ اس امر کے لئے کوشاں رہتی ہے کہ امریکہ کے عربوں سے کبھی اچھے تعلقات قائم نہ ہوسکیں یا امریکہ سے عربوں کو کوئی ایسی چیز نہ مل جائے جس سے اسرائیل کو کوئی موہوم یا حقیقی خطرہ لاحق ہوسکے۔ یہ یہودی لابی مغربی ایشیا کے امن مذاکرات کی اگر پورے طور پر نہیں تو کم از کم جزوی طور پر مخالف ہے۔ امریکہ میں یہودیوں کی دو مشہور لابیاں ہیں یعنی صہیونی تنظیم امریکہ یا زائیونسٹ آرگنائزیشن آف امریکہ اور ایپاگ (Aipac) یعنی امریکہ اسرائیل پبلک افیئر کمیشن۔ ان دونوں ہی تنظیموں نے اسٹیٹ دپارٹمنٹ یا امریکی وزارت خارجہ کی اس رپورٹ کی تنقید کی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ پی ایل او اسرائیل کے ساتھ اپنے معاہدے کی پابندی کر رہا ہے۔ امریکی یہودی تنظیمیں اس تصدیق نامے کے سامنے آنے کے بعد سے کافی چراغ پا ہیں۔ کیونکہ اس سرٹیفکیٹ کے بعد پی ایل او کو 150 ملین ڈالر کی امداد مل جائے گی واضح رہے کہ امریکی کانگریس نے فلسطینیوں کی مدد کے لئے اپنی انتظامیہ پر ہر چھ ماہ بعد ایک ایسا تصدیق نامہ جاری کرنے کی پابندی عائد کر رکھی ہے اگر امریکی انتظامیہ ہر چھ ماہ پر ایسا تصدیق نامہ جاری کرنے میں ناکام رہتی ہے تو فلسطین کو ملنے والی یہ معمولی امداد بند ہوجائے گی۔

اسرائیلی حکومت کا کہنا ہے کہ وہ پی ایل او کی طرف سے معاہدہ کی پابندی مزید بہتر انداز میں چاہتے ہیں مگر اسی کے ساتھ وہ پی ایل او کی مالی مدد کی بھی حمایت کرتے ہیں کیونکہ نام نہاد "امن ڈرامے" میں یہ ایک اہم کردار ہے۔ مگر امریکی یہودی تنظیمیں اس کی سخت مخالف ہیں امریکی صہیونی تنظیم نے رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد کہا کہ "اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے پی ایل او کے ذریعہ امن معاہدے کی کی گئی خلاف ورزیوں کو یا تو بالکل نظرانداز کر دیا ہے یا انہیں بہت گھٹا کر پیش کیا ہے اس تنظیم نے یہ بھی کہا کہ وہ پی ایل او کو دی جانے والی آئندہ کسی بھی امداد کی سختی سے مخالفت کرے گی۔

ایپاک (Aipac) اس حد تک تو نہیں گئی مگر اس نے پی ایل او لیڈر یاسر عرفات سے امن معاہدے کی پابندی، یا اس پر عمل در آمد کے لئے مزید مثبت ہونے کا مطالبہ کیا تاکہ امریکی مدد ملتی رہے اگر عرفات ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو بقول اس یہودی تنظیم کے امریکی عوام کا اعتماد ان سے اٹھ جائے گا۔

> ایپاک اس وقت امریکہ وسعودی عرب کی ایک پرائیویٹ فرم کے درمیان ہونے والے اس مجوزہ تجارتی سودے کی مخالفت کر رہا ہے جس کے مطابق ایک معمولی نوعیت کا زمینی سروے کا سٹیلائٹ نظام جس کا نام Eyeglass ہے، سعودی عرب کو مل جائے گا۔ سعودیوں کا کہنا ہے کہ Eyeglass سعودی عرب کا نقشہ تیار کرنے، شہری پلاننگ میں مدد دینے اور تیل کے کنوؤں کی نگرانی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں یہودی تنظیمیں انتہا پسندانہ نظریات کی حامل ہیں یہ دونوں لیبر پارٹی کے بجائے قدامت پسند لیکڈ پارٹی (Likud) کی حمایت کرتے ہیں جو فلسطینیوں سے امن معاہدے کی مخالف ہے 1992 میں اقتدار میں آنے کے بعد اسحاق رابن نے بارہا کہا ہے کہ یہ تنظیمیں ان کی مخالف اور اسرائیل کی قدامت پسند اور امن مخالف اپوزیشن پارٹی کی حامی ہیں۔ ابھی حال ہی میں اسرائیل کی وزارت خارجہ کی ایک رپورٹ میں، جو خفیہ طور پر دانستہ پریس کو جاری کردی گئی، یہ خیال ظاہر کر دیا گیا ہے کہ انتہا پسند امریکی یہودی تنظیمیں امن کو سبوتاژ کرنے کے لئے ریپبلکن پارٹی کے جیتے ہوئے ممبران کانگریس وسینٹ سے تعلق قائم کرلیں گے ایپاک ابھی تک ڈیموکریٹک پارٹی کی حامی رہی ہے مگر اسرائیل کے مفاد کے لئے وہ اپنی وفاداری اب فاتح ریپبلکن پارٹی سے وابستہ کرسکتی ہے۔ ایپاک کے صدر نے گذشتہ انتخاب میں قریب 052 ڈالر خرچ کئے تھے جو سب ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدواروں کے فنڈ میں گئے تھے۔ مگر اب وہ بدلے ہوئے حالات میں اپنی وفاداری یا تو بدل چکے ہیں یا بدلنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔

ایپاک (Aipac) کا سردست سالانہ بجٹ 13 ملین ڈالر کا ہے اور اس میں کل 125 افراد کام کرتے ہیں اس تنظیم کا واحد مقصد امریکہ میں یا امریکہ کے ذریعہ پوری دنیا میں اسرائیل کے مفادات کا فروغ اور نگہداشت ہے ایپاک سردست اس کوشش میں ہے کہ امریکہ کو سعودی عرب سے ایک نیا تجارتی معاہدہ نہ ہونے دے۔ کئی دہائیوں سے یہ تنظیم سعودی عرب کو امریکی سامانوں خصوصاً ہتھیاروں کی فروخت کی مخالفت کرتی رہی ہے اور اکثر اپنے اس مشن میں کامیاب بھی رہی ہے اسرائیلی لابی کی ان کامیابیوں کی وجہ سے امریکہ کو اکثر نقصانات بھی اٹھانے پڑے ہیں۔ مثلاً 1985 میں سعودی عرب امریکہ سے 7 بلین ڈالر سے لڑاکا طیارے خریدنا چاہتا تھا مگر یہ سودا ایپاک کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا جس کی وجہ سے امریکہ کی ہتھیار بنانے والی کمپنیوں اور ان میں کام کرنے والوں کا کافی نقصان بھی ہوا۔ بعد میں سعودی عرب نے یہ سودا برطانیہ سے کرلیا۔

ایپاک اس وقت امریکہ وسعودی عرب کی ایک پرائیویٹ فرم کے درمیان ہونے والے اس مجوزہ تجارتی سودے کی مخالفت کر رہا ہے جس کے مطابق ایک معمولی نوعیت کا زمینی سروے کا سٹیلائٹ نظام جس کا نام Eyeglass ہے ۔ سعودی عرب کو مل جائے گا۔ سعودیوں کا کہنا ہے کہ Eyeglass سعودی عرب کا نقشہ تیار کرنے، شہری پلاننگ میں مدد دینے اور تیل کے کنوؤں کی نگرانی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

مگر ایپاک کا کہنا ہے کہ سعودی عرب اس Eyeglass کے ذریعہ اسرائیل کی میزائیل رکھنے کی جگہوں، جہازوں اور ٹینکوں کی تصویریں لے سکتا ہے۔ جنگ کے وقت یہ سسٹم بمباری سے پہونچنے والے نقصانات کا اندازہ بھی کرسکتا ہے۔ ایپاک کا یہ بھی کہنا ہے کہ ممکن ہے کہ سعودی عرب اس نظام سے حاصل شدہ معلومات خود نہ استعمال کرے مگر انہیں دوسرے ممالک کو بیچ سکتا ہے جو انہیں اسرائیل کے خلاف استعمال کرسکتے ہیں۔ امریکی وزارت تجارت نے یہودی تنظیموں اور اسرائیلی حکومت دونوں کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ایپاک اس سے مطمئن نہیں ہے ۔ وہ اپنی کوششوں میں مصروف ہے اس نے اب تک 63 ممبران سینٹ کا تعاون حاصل کرلیا ہے اس کا صاف مطلب ہے کہ اس سودے کو لے کر امریکی کانگریس میں یہودی تنظیموں کے زرخرید ممبروں اور امریکی انتظامیہ کے درمیان زبردست لڑائی ہونے والی ہے۔ پہلے کی ایسی جنگوں میں فتح یہودیوں کو ملتی رہی ہے۔ دیکھئے آئندہ جنگ کا نتیجہ کس کے حق میں جاتا ہے۔

■ ■

مٹاپا گھٹائیں دلکش بن جائیں

ہمارا موضوع مٹاپا گھٹانے اور دلکش بنانے سے تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ دراصل مٹاپا کیا ہے؟ مٹاپا عام طور پر جسمانی اعضا میں زیادہ گوشت اور زیادہ وزن پیدا ہونے کو کہا جاتا ہے اس کے لئے کسی جنس کی قید نہیں ہوتی ہے نہ رنگ و نسل کی نہ ہی مٹاپا کسی علاقے کی مخصوص روایات میں شامل ہوتا ہے۔ مٹاپے کے لئے عمر کی بھی کوئی قید نہیں ہوتی یوں تو عام طور پر جب مردوں اور عورتوں کی عمر نصف سے کچھ زیادہ ہونے لگتی ہے تو ان پر مٹاپا آنے لگتا ہے عموماً مردوں میں چالیس برس کے بعد یہ بیماری شروع ہو جاتی ہے جب کہ عورتوں میں چالیس سے پہلے ہی مٹاپے کے آثار شروع ہو جاتے ہیں پہلے پہل تو گوشت اعضا، لوگوں کو کافی بھلے لگتے ہیں جس پر مٹاپا آتا ہے وہ بھی اولاً بہت خوش نظر آتا ہے کیونکہ عام خیال یہ ہے اس بات کو صحت مندی کی نشانی سمجھا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ڈاکٹروں کے خیال میں مٹاپا ایک بیماری ہے اور بیماری جسم کے ناقص افعال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے مٹاپا اور بھاری بھرکم پن خواہ کسی وجہ سے بھی پیدا ہو عام طور پر برا لگتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی کا جسم تحمل ہونے لگتا ہے اور دھیرے دھیرے اس قدر بھدا نظر آنے لگتا ہے کہ اس کا مریض خود بھی اس بیماری کی وجہ سے عاجز نظر آنے لگتا ہے اور بہت سے لوگ مٹاپے کی وجہ سے خود کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں یہ احساس کمتری ان لوگوں کو روز مرہ کے کام کاج اور فرائض کی بجا آوری میں بہت تکلیف دیتا ہے خاص طور پر موٹے آدمیوں کو سفر اور گھر سے باہر جانے میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تقریبات میں تو یہ لوگ بھی پریشان ہو جاتے ہیں عموماً ان تقریبات میں ایسے لوگ کونوں کھدروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہ ان پر کم سے کم پڑے کیونکہ مٹاپے کی وجہ سے انہیں خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ لوگ ان کا مذاق اڑائیں گے یہ حقیقت ہے کہ بعض لوگ اور شریر بچے مٹاپے کے مریضوں کو ہنسی مذاق کا نشانہ بناتے ہیں انہیں طرح طرح سے چڑاتے ہیں اور ستاتے ہیں اور ان پر راہ چلتے سڑکوں گلی کوچوں میں آوازے کستے ہیں انہیں برے برے نام دیے جاتے ہیں لوگ فلمیں دیکھتے ہیں اور فلموں میں موٹے آدمیوں کو دیکھ کر ہنستے ہیں بلکہ ہنسی مذاق کی فلمیں بنائی جاتی ہیں تو ان میں ایک موٹا آدمی ہنسنے ہنسانے کے لئے رکھا جاتا ہے وہ یہ نہیں سوچتے کہ تفریح بازی سے کسی انسان پر کیا گزر جاتی ہے وہ جانتے ہی نہیں کہ موٹا آدمی ذہنی طور پر کس عذاب میں مبتلا رہتا ہے انہیں کیا معلوم کہ مٹاپا ان پر کیوں اور کس طرح آیا ہے انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ دراصل مٹاپا ایک بیماری ہے اور کسی بیماری میں پھنسے ہوئے بیمار کو ستانا کتنی بری بات ہے کیونکہ ہر معاشرے میں انسانی اصول یہی ہے کہ بیمار کا خیال کیا جائے انہیں ستانا اور ان کا مذاق اڑانا کسی قوم اور کسی معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ایسی عورتوں کو چاہئے کہ سخت محنت کرنے کی عادت ڈالیں گھر کے سارے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کریں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ آپ جس قدر محنت کریں گی اسی قدر صحت مند رہیں گی آپ صرف ان باتوں سے پرہیز کریں جو آپ کی نشو ونما کو خراب کرتے ہیں اور باتوں کے ساتھ عمل کی عادت ڈالئے اگر تھوڑی سی احتیاط کرلی جائے تو اس طرح بہت سی بیماریوں سے بچا جاسکتا ہے ہلکی پھلکی روزانہ ورزش بھی اس سلسلے میں بڑی مددگار ہوتی ہے مگر ورزش کا احوال بعد میں آئے گا ابھی آپ کو بنیادی باتیں بتاتے ہیں مثلاً

1۔ گھر کے سارے کام کاج باقاعدگی سے کیا کریں

2۔ چستی اور پھرتی سے کام کرنے کی عادت ڈالیں

3۔ سخت محنت کے کام کریں تاکہ ہلکی سی تھکن ہوجائے

4۔ تھکن کی صورت میں کچھ دیر آرام کریں مگر تھکن زیادہ نہ ہونے دیں

5۔ ہماری ہدایات پر عمل کریں اور چند خاص مشقوں کو روزانہ کا معمول بنالیں

6۔ اپنی عمر اور جسمانی ضرورت کے مطابق اپنی روزانہ کی غذاء میں توازن پیدا کریں اور ضرورت سے زیادہ کھانے کی عادت ترک کردیں

7۔ تھوڑی سی بھوک باقی رکھ کر کھانا پینا ترک کردیں

8۔ ذہن نشین کرلیں کہ مشقوں اور محنت کرنے سے جسم فعال ہوتا ہے مگر ایسی صورت میں متوازن اور بہتر غذا ضروری ہے

9۔ یہ جان لیوا وزن گھٹانے اور مٹاپا دور کرنے کے سلسلے میں آپ کا ذاتی معالج بہت معاون ہوسکتا ہے آپ جب بھی موقع ملے اپنے ڈاکٹر سے اس سلسلے میں ضرور تبادلہ خیال کریں مگر ڈاکٹر کے پاس جائیں تو کم از کم ایک ہفتے کی اپنی مکمل رپورٹ تحریر کرکے ضرور ساتھ لے جائیں اس میں خاص باتوں کو موضوع الگ الگ درج کریں یہ رپورٹ معالج کو خود پڑھ کر سنائیں تاکہ اگر کوئی بات آپ بھول گئی ہیں تو ممکن ہے اس وقت یاد آجائے ڈاکٹر صاحب آپ کے لئے جو ہدایات مقرر کریں انہیں بہت غور سے سنیں اور ممکن ہو تو کاغذ پر لکھ لیں اور اس کو محفوظ کرلیں ان ہدایات پر پوری طرح عمل کریں کیونکہ یہ ہدایات آپ کی جسمانی تمام ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر دی جاتی ہیں اس لئے اگر کوئی حصہ یا جزرہ گیا تو جسم کی نشو ونما اور بہتری میں خلاء پیدا ہوگا ان ہدایات کو مختلف حصوں میں تقسیم کرلیں اور وقت کے تعین پر نگاہ رکھیں یعنی صبح، دوپہر اور شام کی الگ الگ مشقیں وغیرہ اپنے وقت پر کیا کریں اب ہم آپ کو ایک خاص بات بتانا چاہتے ہیں چونکہ ہر انسان ایک جسم کا مالک ہوتا ہے اور اس کے جسم کا اپنا ایک قد ہوتا ہے اس کے لئے ماہرین نے کافی سوچ بچار کے بعد ہر قد کے ساتھ اس کے لئے مناسب وزن کا تعین کیا ہے۔

●

بچوں کی دنیا

ستاروں بھری رات میں پہاڑی پر اس چھوٹے گھر کی چھت اور اس چھت سے اوپر آسمان کی طرف دیکھنے والا شخص یقین سے کہہ سکتا تھا کہ سارے ستارے اسی گھر کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن کیا ستاروں کو معلوم تھا کہ نیچے زمین بھی ہے اور پہاڑ بھی ہیں اور ان دو پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹا سا گھر بھی ہے؟ اور یہ گھر اس بستی کا سب سے پرانا گھر ہے جو اس وقت بنا تھا جب یہاں ایک سڑک بنتی ہوئی آئی تھی۔ وہ سڑک بھی بہت پرانی ہے۔

اس گھر میں ایک بوڑھا جوڑا رہتا تھا جن کے پاس ایک سنہری چڑیا تھی۔ اور یہ سوال یقیناً بھی ان کے ذہن میں نہیں آیا کہ ان کے چہرے، اس کا پنجرہ یہ گھر اور پرانے فرنیچر اس سنہری چڑیا کو کیسے لگتے ہیں یا یہ سب چڑیا کے پیار کو کس طرح محسوس کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا تو یقین تھا کہ چڑیا جب ان میں سے کسی ایک کے کندھے پر بیٹھتی ہے اور اس کی جھریوں بھری گردن پر یا کان کے لوؤں پر چونچ مارتی ہے کہ یہ کس کا کندھا ہے، کس کی گردن ہے اور کس کے کان کی لو ہے۔ لیکن کیا وہ ان دونوں کو اچھی طرح جانتی بھی ہے؟ کیا وہ جانتی ہے کہ ان میں سے ایک دادا جان ہیں اور دوسری دادی جان ہیں؟ اور یہ کہ یہ دونوں اسے صرف اس لئے پیار کرتے ہیں کہ وہ ان کی وفات پائی ہوئی پوتی شا کی سنہری چڑیا ہے جس نے اسے اتنا اچھا سکھایا تھا کہ وہ اس کے کندھے پر جاکر بیٹھ جاتی تھی اس کے کان کے لو پر چونچ مارتی تھی اور پنجرہ چھوڑ کر گھر میں اڑتی پھرتی تھی۔

ساتھ ساتھ پڑے رہتے دو پتھر کیا محسوس کرتے ہیں آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں، انسان دیکھتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ یہ دو بوڑھے تو انسان تھے آس پاس کے گھر والوں کو بہت کم معلوم تھا کہ ان دونوں کے ساتھ ایک سنہری چڑیا بھی رہتی ہے۔

پڑوسن کا لڑکا بستی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ دونوں گھروں میں رات بھر کہرام مچا رہا اور بلی جو سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ بڑے میاں کیوں فائر کر رہے تھے نہایت پھرتی سے جست لگا کر بھاگ گئی تھی اور اس وقت چھت پر بیٹھی وہ سفید بلی سر اٹھائے ستاروں کو دیکھ رہی تھی، ستاروں نے بھی نہ جانا کہ نیچے پہاڑوں کے درمیان اس چھوٹے سے گھر میں کیا ہوگیا ہے۔

جس کا اپنا پنجرہ پردوں کے پیچھے کھڑکی کے شیلف پر ہے یہی اس کا گھر ہے جہاں وہ صرف رات کو بسیرا کرتی ہے۔ دن کو تو صرف دانہ چگنے یا ایک بوند پانی پینے آتی ہے۔ یہ پنجرہ اس کا محل ہے اور یہ گھر سارا اس کی سلطنت ہے جس کی کوئی سرحد نہیں ہے۔ اڑتی پھدکتی اکثر وہ چھت سے لٹکے ہوئے لیمپ کے شیڈ پر یا دادا جان کی کرسی کی پشت پر بیٹھ جاتی چوں چوں کرتی ہوئی۔ اور آپ جانتے ہی ہیں کہ چڑیائیں کیا کرتی ہیں۔ گندی بات۔ بڑی بی دیکھتیں تو ڈانٹتی ہوئی کپڑا لے آتیں اور کرسی کو صاف کردیتیں یہ روز مرہ کا معمول تھا مگر بڑی بی تو اس طرح سمجھانے لگتیں کہ جیسے وہ کوئی بیٹی ہو جو وقت پر اور صحیح جگہ پر اس طرح کے کام نہیں کرتی۔ ایسے میں ہی دراصل انہیں اپنی پوتی یاد آجاتی۔ ننھی فرشتہ یہ صفائی ستھرائی تو وہی کیا کرتی تھی لیکن ادھر ایک سال سے وہ یہ کام ان کے سپرد کرگئی۔

یاد ہے؟ ہاں بڑے میاں کو یاد تھا۔ اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ننھی سی گڑیا اس گھر میں دوڑتی پھرتی تھی۔ بڑے میاں دیر تک سر کو ہلاتے رہے۔

دونوں نے اپنے ہاتھوں میں اس یتیم بچی کو پالا تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہی اس گھر میں بڑی ہوئی تھی یہی ان کے لئے بڑھاپے کی خوشی بن سکتی تھی مگر جب وہ پندرہ برس کی ہوئی تب۔ لیکن اس کی یاد اس سنہری چڑیا کے چہچہانے اور پھڑپھڑانے میں اب بھی زندہ تھی۔ وہ کس پیار سے کندھے پر آکر بیٹھ جاتی سر کو ادھر ادھر ہلاتی، چونچ مارتی جیسے کہہ رہی ہو۔ ہاں وہ محبت مل رہی ہے مجھے۔ وہی محبت اب بھی زندہ ہے اور بڑی بی نے جب اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سسکیاں بھرتی اور کانپتی ہوئی جب اپنے بوڑھے شوہر کو دکھایا تو دونوں نے اس سنہری چڑیا کے سر کو اور چونچ کو کتنے بوسے دیئے کہ جب وہ آزاد ہوئی تو اس نے بھی ان بوسوں کے جواب میں اپنی چونچ سے ان دونوں کو ٹھونگیں مار مار کر پیار کیا۔

بڑی بی کو تو ہمیشہ ہی لگتی کہ چڑیا چہچہا نہیں رہی ہے بلکہ اپنی شا، کو پکار رہی ہے اور جب وہ کمرہ میں ادھر سے ادھر اڑتی پھرتی ہے تو دراصل شاہ کو ہی ڈھونڈھتی پھرتی ہے پھر وہ پکارتی۔ تو کیا اسے موت کا علم نہیں ہے؟ وہ نہیں جانتی کہ جسے وہ پکار رہی ہے اس کا جواب نہیں آئے گا؟ پنجرے میں بھی جب وہ سر جھکائے، آنکھیں بند کئے ڈنڈی پر بیٹھی ہوتی ہے تو کیا اپنے پالنے والی شاہ کے بارے میں نہیں سوچ رہی ہوتی ہے؟

بڑے میاں نے تردید نہیں کی۔ انہیں بھی ویسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسا کہ ان کی بیوی کو۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھتے، کچھ بڑبڑاتے جیسے تسلی دے رہے ہوں اور پنجرہ کا دروازہ کھول دیتے۔ "وہ گئی، وہ گئی، شریر کہیں کی" وہ زور سے بولتے اور کرسی پر بیٹھ کر گھماتے ہوئے اسے دیکھنے لگتے اور پھر دونوں دادا جان اور دادی جان میں جھگڑا شروع ہو جاتا۔ بڑی بی نے بار بار کہہ رکھا تھا کہ ایسے میں اسے نہ چھیڑو جب وہ اداس بیٹھی ہو۔ وہ تو گا رہی ہے۔ بڑے میاں کہتے "کیا مطلب ہے وہ گا رہی ہے" بڑی بی ایک دم سے بول پڑی "وہ تمہیں گاتا لگ رہا ہے بڑے

باقی صفحہ ۸ پر

عرب ممالک کی قدرتی گیس کی دولت پر اسرائیل کی للچائی نظر

مغربی ایشیا میں نیا رول ادا کر کے اسرائیل اسکی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا چاہتا ہے

عربوں سے امن معاہدے کر کے اسرائیل عرب ممالک سے زیادہ سے زیادہ اقتصادی اور تجارتی فائدے اٹھانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

صدر کلنٹن، اردن کے شہزادہ حسن اور اسرائیل کے وزیر خارجہ پیریز: عربوں کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب

عرب ممالک میں جس طرح تیل کی پیداوار بہت زیادہ ہے اسی طرح قدرتی گیس بھی بے انتہا پیدا ہوتی ہے۔ جس کی طرف عرب حکمرانوں کی توجہ بہت کم ہے۔ اسرائیل قدرتی گیس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور وہ اس سمت میں جو کوششیں کر رہا ہے اس کے پیش نظر یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسرائیل عرب ممالک سے گیس درآمد کرنے کے میدان میں دنیا کا سب سے بڑا ملک ہوجائے گا۔ وسط جنوری میں مسقط میں ہونے والی مغربی ایشیائی پیٹرولیم اور گیس کانفرنس 95 میں چار سو مندوبین کے ساتھ اسرائیلی مندوبین نے شرکت اور عرب نمائندوں سے گفت وشنید بھی کی تھی۔

امن معاہدوں اور عربوں کی جانب سے اسرائیل سے تجارت پر لگی پابندیوں کو غیر اعلانیہ انداز میں ہٹالینے کے بعد مغربی ایشیا میں اسرائیل ایک نیا رول ادا کرنے جارہا ہے اور اس رول کی قیمت وہ زیادہ سے زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے۔

اسرائیلی افسران کے مطابق کانفرنس میں ان کی شرکت توانائی سے متعلق سودے کا جائزہ لینا اور اس کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اومان، قطر اور کویت کے تیل وزراء نے بھی اس میں شرکت کی تھی واضح رہے کہ یہ ممالک بھی اسرائیل کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ دو روزہ کانفرنس میں سعودی عرب اور ایران کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا۔ البتہ یہ پتا نہیں چل سکا ہے کہ ان وزراء نے اسرائیلی افسران سے کوئی بات چیت کی یا نہیں۔ اسرائیلی وفد کے سربراہ یوسی لیوباٹیون کے مطابق کئی برسوں کے بعد اس خطے کے ممالک اور اسرائیل کے مابین تعلقات کی استواری کی سمت میں یہ پہلا قدم تھا۔ کانفرنس میں ہماری شرکت کا مقصد تیل صنعتوں اور توانائی کے سیکٹروں کے افراد سے گفت وشنید کرنا، ان سے تعاون اور تبادلہ خیالات کی راہیں ہموار اور تلاش کرنا تھا۔ اور اس قسم کی کانفرنس میں یہ ہماری پہلی شرکت تھی، ہم دراصل اس خطے کے ممالک سے معمول کے مطابق تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسرائیل کا مقصد یہ ہے کہ ہم کچھ میدانوں میں آپ کی مدد کریں اور آپ دیگر میدانوں میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

ماہرین اقتصادیات کا کہنا ہے کہ آئندہ چند برسوں میں اس خطے میں توانائی اور قدرتی میدان میں زبردست ترقی ہونے والی ہے جس کے نتیجے میں ان کی برآمدات میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگا۔ اس خطے میں الجیریا سب سے زیادہ گیس پیدا کرتا ہے ادھر مصر اور لیبیا بھی جدید پلانٹ لگا کر گیس کی پیداوار میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ جاپان کی طرف سے بڑھتی ہوئی زبردست مانگ کے پیش نظر متحدہ عرب امارات بھی اپنی گیس پیداوار میں دوگنا اضافہ کرنے جارہا ہے۔

> دو روزہ کانفرنس میں سعودی عرب اور ایران کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا، البتہ یہ پتا نہیں چل سکا ہے کہ ان وزراء نے اسرائیلی افسران سے کوئی بات چیت کی یا نہیں، اسرائیلی وفد کے سربراہ یوسی لیوباٹیون کے مطابق کئی برسوں کے بعد اس خطے کے ممالک اور اسرائیل کے مابین تعلقات کی استواری کی سمت میں یہ پہلا قدم تھا۔

قطر گیس ریزرو کرنے والا دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے وہ تیل کے میدان میں کم ہوتی ہوئی آمدنی کو گیس سے پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ کروڑوں ڈالر کا پروجیکٹ لگانے جارہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سن دو ہزار تک گیس پیداوار میں دس ملین ٹن کا اضافہ ہوجائے گا۔ قطر پہلے سے ہی ترکی اور ایشیا کو گیس برآمد کرتا ہے اور اب وہ اسرائیل سے بھی گفت وشنید کر رہا ہے۔ اسرائیلی وفد کے سربراہ کا کہنا ہے کہ اسرائیلی قطر کی جانب سے تجارتی پیش کش کا انتظار کر رہا ہے۔ اومان بھی گیس پیداوار میں 6 ملین ٹن سالانہ کے اضافے کی غرض سے 9 بلین ڈالر میں ایک پلانٹ لگا رہا ہے۔

کیا عالمی مالیاتی نظام کو کوئی خطرہ لاحق ہے؟

ترقی پذیر ممالک میں نجی سرمایہ کاری سے متعلق عالمی بینک کی تازہ ترین رپورٹ کیا کہتی ہے؟

ترقی پذیر ممالک میں ذاتی سرمایے کی مقدار گذشتہ سال 173 ملین ڈالر تھی یعنی کہ 1989 سے اب تک اس میں چار گنا اضافہ ہوا۔ عالمی بینک کے ایک حالیہ اطلاع نامے کی مطابق خارجی عالمی سرمایہ کاری میں ترقی پذیر ممالک کا حصہ 1993 میں ایک سال کے اندر 29 فیصد سے 37 فیصد ہوگیا اور اس طرح چین غیر ملکی سرمایہ کاری کا سب سے بڑا واحد مالک بن گیا جسے 26 بلین ڈالر کا غیر ملکی سرمایہ حاصل ہوا۔

> ترقی پذیر ممالک کے قروض اور مالیاتی تحرکات کے موضوع پر سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے عالمی بینک کے ماہرین اقتصادیات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ذاتی سرمایے کے بڑے پیمانے پر تحرک کا انحصار حقیقی اقتصادی تحویلات پر ہے جس میں اقتصادی سرگرمیوں کی آفاقیت تجارتی حریت اور نجی کاری شامل ہیں۔ رپورٹ کے ایک دوسرے مرتب نے بتایا کہ بازار میں ابتدائی ہنگامی صورت کے سوا کوئی اور بات ایسی نہیں تھی جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ ایک دہائی قبل نمودار ہونے والے قرضہ جاتی بحران کی مانند مالیاتی نظام کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔

ترقی پذیر ممالک کے قروض اور مالیاتی تحرکات کے موضوع پر سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے عالمی بینک کے ماہرین اقتصادیات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ذاتی سرمایے کے بڑے پیمانے پر تحرک کا انحصار حقیقی اقتصادی تحویلات پر ہے جس میں اقتصادی سرگرمیوں کی آفاقیت تجارتی حریت اور نجی کاری شامل ہیں۔ رپورٹ کے ایک دوسرے مرتب نے بتایا کہ بازار میں ابتدائی ہنگامی صورت کے سوا کوئی اور بات ایسی نہیں تھی جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ ایک دہائی قبل نمودار ہونے والے قرضہ جاتی بحران کی مانند مالیاتی نظام کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔

عالمی بینک نے 1994 کے دوران مجموعی طور پر 227 بلین ڈالر کی قیمت کے وسائل کے تحرک کی نشاندہی کی ہے جو کہ آج تک کبھی ممکن نہیں ہوا۔ لیکن 1994 کے اعداد وشمار کے مقابلے میں یہ ایک تفری اور بعض ترقی پذیر ممالک میں ناسازگار سیاسی اور اقتصادی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں۔

عالمی بینک کا صدر دفتر: کیا بحران میں مبتلا ہوگیا ہے

اوسط اضافہ ہے جو اس وقت 213 بلین ڈالر تھی جب 1990 کے مقابل اس میں چالیس فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔ بینک نے اسے مجموعی طویل مدتی نجی سرمایہ جاتی تحرکات میں تیزی سے گراوٹ سے منسوب کیا جو صرف 9 فیصد سے کچھ نیچے ہی رہے تھے اس کے بعد کہ 1993 میں 55 فیصد اضافہ کے ساتھ یہ مقدار 159 بلین ڈالر تک پہنچ گئی تھی۔ بینک نے یہ وضاحت پیش کی کہ یہ گراوٹ بعض نو وارد بازاروں میں قیمتوں کی اصلاح کی وجہ سے تھی جو 1994 سے بڑھتے ہوئے امریکی شرح سود کی وجہ سے چڑھ گئے تھے اور جس کی بناء پر بانڈ مارکیٹ میں افرا

نجی سرمایے کا ریلا 1993 میں درحقیقت بیشتر ترقی پذیر ممالک میں اقتصادی اصلاحات کی وجہ سے آیا تھا جس نے تجارتی قرضہ جاتی بحران کے دوران ان کی قرضوں کے حصول کی صلاحیت کو بحال کردیا۔ پورٹ فولیو حصص سرمایہ کاری میں ایک نمایاں لہر نمودار ہوئی جس نے 1993 میں 47 بلین ڈالر کی حد کو چھولیا جو 1989 کے مقابلے میں تیرہ گنا اضافہ کا اشاریہ تھا۔ اس کلیدی عنصر کو ابھارنے میں مالیاتی حریت پسندی اسٹاک مارکیٹ تک غیر ملکی سرمایہ کاروں کی رسائی اور بڑے پیمانے پر نجی کاری

باقی صفحہ ۱۵ پر

عربوں کی ضرب المثل بے عقلی

عرب ممالک کے بارے میں ایک رات یہ خبر پڑھ رہا تھا کہ

1۔ 1993 کے خاتمہ پر یوروپ وامریکہ میں مالدار عرب ممالک کے ڈھیروں تجارتی سرمایہ کی کل رقم 670 ملین ڈالر تک پہنچ گئی (یعنی چھ کھرب 70 ارب ڈالر) جب کہ اسی زمانہ میں خود عرب علاقہ میں اس تجارتی سرمایہ کی تعداد بارہ ملین ڈالر تھی۔ (یعنی بارہ ارب ڈالر)۔ یعنی یوروپ وامریکہ میں عرب سرمایہ کے 76 ڈالر کے مقابلہ خود عرب علاقہ میں اس سرمایہ کا صرف ایک ڈالر تجارتی سرمایہ میں لگا ہوا ہے۔

2۔ اور یوروپ وامریکہ کے مالی اداروں کا غریب عرب ممالک پر 194 ملین ڈالر (ایک لاکھ چورانوے ارب ڈالر) قرضہ ہے۔

عربوں کے لئے ان اعداد وشمار کے فائدے اور نقصان میں الجھا ہوا تھا کہ جرمن ٹیلیویژن شام کے پہلے اخباری بلیٹن میں ایک جرمنی کسان کے منہ سے یہ الفاظ سنے:

"میں عربوں کی طرح غبی نہیں ہوں، جو ایک لیٹر پٹرول اعشاریہ دو جرمن مارک کے بدلہ میں بیچتے ہیں، جب کہ استعمال شدہ پٹرول کا باقی ماندہ فضلہ ڈیڑھ جرمن مارک میں بکتا ہے۔"

جس کو اللہ تو نے "خیرامت" بنایا اور "لوگوں پر گواہ" کی حیثیت سے نامور کیا، اب اس کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اس کی زمین وآبرو نہ صرف غیروں کے لئے حلال ہوگئی ہے۔ بلکہ اس کے فرزند حماقت میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ کوئی ہے جو اللہ تعالی کے اس قول کا جواب دے۔ "فرمادیجئے کہ میں تم کو ایک ہی چیز کی نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم ایک ایک، دو دو ہو کر اللہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو، اور غور وفکر کرو"؟

ماخوذ از (ماہنامہ الرائد، ویرسین، جرمنی، 163، اگست 1994)

گجرات الکشن میں ٹاڈا کی بازگشت سے کانگریس میں بوکھلاہٹ

ریاست کے مسلم لیڈروں کی سفارشات کو نظر انداز کر کے کانگریس نے گھاٹے کا سودا کیا

بارہ سالہ مقصود اور نوے سالہ اچھی بیگم میں تین باتیں مشترک ہیں، دونوں مسلمان ہیں احمد آباد سے تعلق رکھتے ہیں اور ٹاڈا کے تحت ان کی گرفتاری ہوئی ہے۔ مقصود کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب 1993 کے فسادات کے دوران دودھ لینے کے لئے اس نے گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔ جب کہ اچھی بیگم کو ایک دوکان سے چاول کی بوری لوٹنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی طرح کانگریسی لیڈر مرحوم حاجی باوا کی 28 سالہ بیٹی سائرہ بانو کو بیس دوسرے افراد کے ساتھ گرفتار کیا گیا سارے مسلمان تھے سب کو ٹاڈا کے تحت بند کیا گیا اور سائرہ بانو پر قتل اور آتش زنی کا الزام عائد کیا گیا۔ ریویو پینل نے قتل کے الزام کو ختم کرنے کی سفارش کی مگر یہ بھی کہا کہ آتش زنی کا کیس چلنا چاہیے

مذکورہ الزامات نافذ کرنے کے دو سال بعد اب جا کر ٹاڈا کے تحت رجسٹرڈ کئے گئے کیس واپس ہونے جا رہے ہیں۔ ملزمان کے ذریعہ سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کے بعد ہی حکومت ان کیسوں کو واپس لینے کو تیار ہوئی۔

ٹاڈا کی وجہ سے آج مسلمان کانگریس سے دور ہو گئے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آج کانگریسی لیڈر کی بیٹی سائرہ بانو جنتادل کے ٹکٹ پر اسمبلی الیکشن لڑ رہی ہے، 1990 میں جب اڈوانی کے رتھ کو روک کر ان کو گرفتار کر لیا گیا تھا تو سندھی واد میں چھرے بازی کا واقعہ ہوا تھا۔ اس واقعہ کے بعد 73 افراد کو ٹاڈا میں گرفتار کر لیا گیا تھا، جس شخص پر چاقو سے حملہ کیا گیا تھا اسے معمولی چوٹ آئی تھی اور اسے مرہم پٹی کر کے فوری طور پر اسپتال سے چھٹی دیدی گئی تھی۔

گجرات کے ایک کانگریسی لیڈر کا جو ٹاڈا کے تحت گرفتار شدگان کے لئے لڑ رہے ہیں کہنا ہے کہ گجرات میں ٹاڈا کا انتہائی غلط طریقے سے استعمال ہوا ہے۔ ان کے مطابق 1985 سے 1994 کے درمیان گجرات میں 18129 افراد کے خلاف پنجاب میں 6800 اور جموں کشمیر میں 8000 افراد کے خلاف ٹاڈا کیس رجسٹرڈ کیا گیا گجرات میں کل گرفتار شدگان میں 12500 مسلمان تھے۔

سائرہ بانو کے وکیل محمد حسین بریجیا کے مطابق اسمبلی انتخابات میں مسلمان کانگریس کو ووٹ نہیں دے رہے ہیں یہ ٹاڈا کے ناجائز استعمال کی بازگشت ہے، سابق کانگریس ایم پی اور ریاستی کانگریس کے جرنل سکریٹری ارشاد مرزا کا کہنا ہے کہ کانگریس کے مسلم لیڈروں نے بہت پہلے ٹاڈا کے خلاف اپنے شدید جذبات کا اظہار کر کے مسلمانوں کی شکایات کو دور کرنے کی آواز اٹھائی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کانگریس کے ریاستی کنونشن میں اس ایکٹ کے خلاف قرار داد پاس کر کے اسے جلد از جلد ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔

اس ایکٹ کے خلاف کانگریس پارٹی میں پائے جانے والے رجحان سے متاثر ہو کر نرسمہا راؤ نے راجیش پائلٹ، جعفر شریف، احمد پٹیل اور طارق انور پر مشتمل ایک چار رکنی وفد کو ریاست میں بھیجا اس موقع پر ریاست کے سول سپلائز منسٹر سراج الدین قاضی کی رہنمائی میں ناراض مسلم لیڈروں کے ایک وفد نے مذکورہ وفد سے ملاقات کر کے ان سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے جلد از جلد ضروری اقدامات کئے جائیں۔

اس مطالبے کی روشنی میں احمد پٹیل اور ریاستی کانگریس صدر پربودھ راول، پر مشتمل ایک دو رکنی پینل کو ٹاڈا کیسوں میں سرکاری نمائندہ بنایا گیا۔ بعد میں چار وکلاء بارو بھائی مہتہ، کرشنا کانت وکھاریہ، بلونت راٹھور اور ایس ایچ قریشی کو بھی اس پینل میں شامل کیا گیا تاہم پینل کی سفارشات اب بھی گرد آلود ہو رہی ہیں اور ان پر کوئی عمل نہیں ہو رہا ہے۔

ٹاڈا کیسوں پر نظر ثانی کا معاملہ اس وقت کافی متنازعہ ہو گیا جب وزیر اعلی چھبیل داس مہتہ نے بیان دیا کہ پینل کی سفارت کی پابند حکومت نہیں ہے۔ ان کی دلیل تھی کہ اس ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کئے گئے زیادہ تر کیس ان کے چارج لینے سے پہلے کے ہیں۔

ایک سینئر پولیس افسر کے مطابق ایسے بھی کیس ہیں جو اتفاقیہ طور پر ٹاڈا کے تحت رجسٹرڈ کئے گئے لیکن وہ اسی سانس میں یہ بھی کہتے ہیں کہ بابری مسجد کے انہدام کے بعد حکومت کو بھی فرقہ وارانہ حالات کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر موازنہ کیا جائے تو 1994 کے پر امن حالات میں ٹاڈا کیسوں کی تعداد کم رہی ہے ایسے لوگوں کو ٹاڈا میں بند کیا گیا جو اسمگلنگ اور ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ارشاد مرزا کا کہنا ہے کہ ہم اور ہمارے جیسے دوسرے لوگ نہ تو اسمگلر ہیں اور نہ ہی ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہمارا موقف بہت واضح ہے، ہمارا مطالبہ ہے کہ بے قصور لوگوں پر ٹاڈا کا ہتھیار نہیں چلانا چاہئے۔ اور جو لوگ گھناونے جرائم میں ملوث ہیں ان پر ملک کے دوسرے قوانین نافذ کرنے چاہئیں جو خاص طور سے اسی کے لئے بنے ہوئے ہیں۔

گجرات پردیش کمیٹی کے نائب صدر قادر پیرزادہ اور جوائنٹ سکریٹری مجید شیخ ٹاڈا معاملات پر نظر ثانی کرنے کے مطالبے کی مہم میں پیش پیش رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایک دوسرے قانون ڈسٹربڈ ایریاز ایکٹ کو بھی اس ایکٹ کے ساتھ جوڑ دینا چاہئے، اس کا بھی بہت ناجائز اور غلط استعمال ہو رہا ہے۔ ان لوگوں نے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے ان سے کہا کہ یہ قانون بھی ٹاڈا کی طرح ایک ہتھیار ثابت ہو رہا ہے۔

سی وی مومن کا کہنا ہے کہ اس قانون کے تحت جہاں دو فرقے ایک ساتھ رہتے ہوں وہاں غیر منقولہ جائیداد کی فروخت پر پابندی عائد ہے اس کے نتیجے میں احمد آباد کے کلکٹر آفس میں 14 ہزار کیس یوں ہی پڑے ہوئے ہیں جن میں فروخت شدہ جائیداد کی رجسٹری ہونی ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ کلکٹر آفس نے مزید کیسوں کو اپنے یہاں لینے سے منع کر دیا ہے جس کی بنا پر فروخت شدہ جائیدادوں کی ملکیت کی منتقلی یوں ہی معلق ہے اور رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں یہ خرید فروخت غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس قانون کی بنا پر اس وقت 25 کروڑ روپے داؤ پر لگے ہوئے ہیں لیکن سیاسی سطح پر دیکھا جائے تو کانگریس کے لئے مسلمانوں کا ووٹ داؤ پر لگا ہوا ہے۔

مقصود کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب 1993 کے فسادات کے دوران دودھ لینے کے لئے اس نے گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔ جب کہ اچھی بیگم کو ایک دوکان سے چاول کی بوری لوٹنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی طرح کانگریسی لیڈر مرحوم حاجی باوا کی 28 سالہ بیٹی سائرہ بانو کو بیس دوسرے افراد کے ساتھ گرفتار کیا گیا سارے مسلمان تھے سب کو ٹاڈا کے تحت بند کیا گیا اور سائرہ بانو پر قتل اور آتش زنی کا الزام عائد کیا گیا۔

سائرہ بانو کے وکیل محمد حسین بریجیا کے مطابق اسمبلی انتخابات میں مسلمان کانگریس کو ووٹ نہیں دے رہے ہیں یہ ٹاڈا کے ناجائز استعمال کی بازگشت ہے۔ سابق کانگریس ایم پی اور ریاستی کانگریس کے جرنل سکریٹری ارشاد مرزا کا کہنا ہے کہ کانگریس کے مسلم لیڈروں نے بہت پہلے ٹاڈا کے خلاف اپنے شدید جذبات کا اظہار کر کے مسلمانوں کی شکایات کو دور کرنے کی آواز اٹھائی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کانگریس کے ریاستی کنونشن میں اس ایکٹ کے خلاف قرار داد پاس کر کے اسے جلد از جلد ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔

بے قصور خواتین کو بھی ٹاڈا کے تحت جیلوں میں ٹھونس دیا گیا

بقیہ: زن وشوہر کی مشترکہ تجارت

لئے ضروری نہیں کہ سپروائزر اس کا دوست بن کر رہے۔ کام کے دوران جب ماتحتوں کا اس سے سابقہ پڑتا ہے اگر وہ ان سے خوش معاملگی کرتا ہے تو باقی اوقات میں وہ کیسا ہے اس کا اثر ماتحتوں پر پڑنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی ملازم کام کرنے کے کے حالات سے غیر مطمئن ہے تو اسے فیصلہ کرنا چاہئے کہ ان حالات میں رہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اسے کام کی ضرورت ہے تو اسے موجودہ ملازمت پر قائم رہ کر آئندہ کے لئے بہتر راہ تلاش کرنی چاہئے کیونکہ جو دروازہ اللہ نے پہلے اس کے لئے کھولا ہے اسے بند کر دینا دانائی نہیں ہے۔

بقیہ: عالمی بینک کی رپورٹ کا جائزہ

کو کافی حد تک دخل تھا۔ تاہم اس زمرے میں بینک نے گذشتہ سال 395 بلین ڈالر کی تخفیف ظاہر کی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ بازاری اصلاحات نے اس طرح کی سرمایہ کاری میں دلچسپی کو ختم کر دیا۔ عالمی سرمایہ کاری بازار میں ترقی پذیر ممالک کے جاری کردہ بانڈوں میں 1993 میں دوگنا کا اضافہ ہو کر ان کی جملہ قیمت 53 بلین ڈالر ہو گئی جس میں صرف لاطینی امریکہ کا حصہ نصف تھا۔

تاہم بینک نے عالمی بانڈ مارکیٹ کو متاثر کرنے والی کساد بازاری، کی پیشین گوئی کر دی تھی جس کے تحت 1994 میں 50 بلین کا خسارہ ہوا کیونکہ امریکی شرح سود اوپر چلی گئی تھی۔ ان دونوں سیکٹروں میں ہوئے نقصان کا ازالہ ایف ڈی آئی کی مسلسل توسیع کے ذریعے ہونا تھا جو 1993 کے دوران بڑھ کر 67 اور 1994 میں 78 بلین ڈالر ہو گیا۔ ایشیائی اوسط آمدنی والے ممالک کو غیر قرضہ جاتی رقوم میں سے 56 فیصد ملا جب کہ بقیہ 25 فیصد لاطینی امریکہ کے حصے میں آیا۔

مناسب رشتے

سنی مسلم خاندان کی خوبصورت (عمر 27 سال، قد 5 فٹ 13 انچ) ایم ایس سی (ریاضی) ملازم پیشہ لڑکی کے لئے بی اے / ایم بی بی ایس / ایم ایس سی، ایم اے / چارٹرڈ اکاونٹنٹ لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 29

انصاری گھرانے کی تدریس کے پیشے سے وابستہ خوبصورت اور گوری رنگت کی دو بہنوں کے لئے جن کی عمر اور قد بالترتیب 35 سال 5 فٹ 12 انچ اور 24 سال 5 فٹ 13 انچ ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکیوں کے والد ایرفورس افسر ہیں اور بھائی جو سابق ایرفورس افسر اور الیکٹرونکس انجینئر ہیں عنقریب خلیج جانے والے ہیں۔ شادی جلد کرنی ہے۔ خواہش مند حضرات تصویر اور تفصیلات کے ساتھ رابطہ کریں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 30

کانپور میں مقیم صدیقی خاندان کی 26 سالہ (قد 5 فٹ 4 انچ) ایم اے سوشلوجی اور کمپیوٹر ڈپلومہ یافتہ ماڈرن اور مذہبی خیالات کی لڑکی کے لئے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 31

گریجویٹ انجینئر برسر ملازمت دلکش اور بے داغ رنگت والی لڑکی کے لئے جس کی عمر 25 سال اور قد 5 فٹ ہے ہندوستان یا بیرون ملک کے سنی گھرانے کے وسیع الذہن، بہتر مستقبل کے امکانات رکھنے والے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 32

سنی گھرانے کی خوبصورت کونونٹ کی تعلیم یافتہ (عمر 23 سال، قد 5 فٹ 13 انچ) تیس سال سے کم عمر کے دس ہزار روپیہ ماہانہ آمدنی کے حامل متمول لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ دہلی والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 33

سنی مسلم خاندان کی بی اے اور کمپیوٹر ڈپلوما یافتہ دلکش لڑکی (عمر 25 سال) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے بھائی امریکہ میں مستقل سکونت پذیر ہیں۔ ڈاکٹر، انجینئر اور بینک کے ملازمین کو ترجیح دی جائے گی۔ ذات کی کوئی قید نہیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 34

سید سنی خاندان سے تعلق رکھنے والی خوبصورت لڑکی (عمر 18 سال، قد 162 سینٹی میٹر) کے لئے تعلیم یافتہ متمول روزگار والے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 35

اسمارٹ، خوبصورت سنی پٹھان گریجویشن کی طالبہ (عمر 19 سال، قد 5 فٹ 13 انچ) کے لئے معزز خاندان کے ڈاکٹر لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے والد ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ خواہش مند حضرات ضروری تفصیلات مع تصویر ارسال فرمائیں اور لڑکے کی متوقع پانچ عددی آمدنی کی بھی وضاحت فرمائیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 36

دہلی میں مقیم خوبصورت سنی، پروفیشنل تعلیم سے آراستہ برسر ملازمت لڑکی (عمر 26 سال) کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات رجوع فرمائیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 37

اعلیٰ مسلم خاندان سے تعلق رکھنے والی کلکتہ میں برسر ملازمت لڑکی کے لئے اختصاصی سال سے اوپر کی عمر کے متمول روزگار والے شخص سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 38

سنی سید خاندان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ خود مختار اور تیس ہزار روپیہ ماہانہ آمدنی رکھنے والے لڑکے کے لئے جس کی عمر 32 سال اور قد 174 سینٹی میٹر ہے باحد خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 39

33 سالہ ایم آر آئی (قد 168 سینٹی میٹر) بی کام آنرس خود مختار لڑکے کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ خود مختارانہ حیثیت کی بیوہ یا مطلقہ خواتین بھی رجوع کر سکتی ہیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 40

گوالیار میں مقیم ایل ایل بی ڈگری یافتہ ذاتی بزنس اور ماہانہ آٹھ ہزار آمدنی والے لڑکے (عمر 27 سال، قد 176 سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات بشمول والدین تصویر اور دیگر تفصیلات ارسال فرمائیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 41

سنی پٹھان خاندان سے تعلق رکھنے والی پوسٹ گریجویٹ، بینک ملازم لڑکے (عمر 32 سال، قد 180 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی سات ہزار دو سو روپے ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکے کا لکھنو میں ذاتی مکان ہے۔ ذات کی کوئی قید نہیں ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 42

سنی انصاری لڑکے (عمر 29 سال، قد 180 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی پانچ عدد میں ہے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات کی کوئی قید نہیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس 43

شمالی ہندوستان کی معروف معزز خاندان سے تعلق رکھنے والے حد درجہ خوبرو نوجوان ڈاکٹر (عمر 30 سال، قد 176 سینٹی میٹر) کے لئے غیر معمولی خوبصورت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکا ذاتی کاروبار، بنگلہ، کار فارم، پرائیوٹ ٹیکنیکل کالج کا مالک ہے۔ تفصیلات کے ساتھ تصویر ضرور روانہ فرمائیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 44

امریکہ میں مقیم خوبرو سنی مسلم (عمر 28 سال، قد 180 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی ساٹھ ہزار روپئے ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیلات کے ساتھ تصویر ضرور ارسال فرمائیں۔ رابطہ: ملی ٹائمز پوسٹ بکس نمبر 45

خلیج جابز

انہیں تشدد کا نشانہ بنانے کے بجائے ان کے انسانی حقوق کا تحفظ کرکے

بچوں کے اخلاق و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالیے

بچے کے لئے ماں کی شفقت وعنایت کو نہ صرف ماہرین نفسیات نے تسلیم کیا ہے بلکہ ادباء، شعراء نے بھی مختلف پیرایوں میں اس کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ ماں کے غصے کی حالت میں یہی شفقت بعض دفعہ بچے کے لئے قہر بن جاتی ہے بعض مائیں تو بچوں کی تربیت کے لئے انہیں زدوکوب کرنا بھی ضروری تصور کرتی ہیں۔ شاید انہیں اندازہ نہیں کہ ان کی سختی ان کے جگر گوشوں کی زندگی میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔

بچے کی سماجی نشوونما اور ماں کی طرف سے ملنے والی تربیت میں گہرا رشتہ ہے۔ ہر سماج اپنی ثقافتی حدود میں بعض ایسے عادات واطوار اور اقدار کا حامل ہوتا ہے جس سے اس کے بچے بتدریج روشناس ہوتے ہیں اور اس عمل کا اپنا مخصوص طریقہ ہوتا ہے۔ اور ماں بچے اور ان سماجی اطوار واقدار کے درمیان رابطے کا کام انجام دیتی ہے۔

بچے کی تربیت کے دوران ماں کی طرف سے برتی گئی سختی اور شدت کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ بچے کو گھر کی حدود میں ایک فرد کی حیثیت سے اہمیت دی جائے تاکہ وہ ماں باپ پر اعتماد کرنا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا اور منع کی ہوئی باتوں سے پرہیز کرنا سیکھے۔ بعض والدین غلط فہمی کی بناء پر ڈانٹ ڈپٹ اور مارپیٹ کے طریقہ کو ہی بچوں کی تربیت کا بہتر وسیلہ سمجھتے ہیں اور خود کو حق بجانب بھی سمجھتے ہیں لیکن آج بیشتر معاشروں کے جائزے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ یہ رجحان درست نہیں ہے۔ یہاں ایک سوال کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ماں بچے کو زدوکوب کا طریقہ کب اختیار کرتی ہے۔ عموماً ایسا اس وقت ہوتا ہے جب بچہ ارتقاء کے دوسرے مرحلے یعنی تین سال سے چھ سال کی عمر کے درمیان ہوتا ہے اور خارجی دنیا سے متعارف ہونے کی کوشش میں طرح طرح کی حرکات اس سے سرزد ہوتی ہیں اور وہ اپنے ماحول سے متعلق سوالات بھی کرتا ہے۔ مائیں انہیں مارپیٹ کر یہ کرنے اور وہ نہ کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔ اجتماعی امور سے بچے کو مانوس ومتعارف کرانے کے لئے والدین یہ تو کرسکتے ہیں کہ غلط باتوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کرکے بچے کو اس کا احساس کرائیں تاکہ اس میں اچھے اخلاق وسلوک کی تمیز پیدا ہوسکے۔ اس سلسلے میں تھوڑی سی شدت تو اختیار کی جاسکتی ہے لیکن تشدد کا مشورہ ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ یعنی ایسی ضرب جو ایذا کی حد میں داخل ہو جائے وہ ہرگز مناسب نہیں کیونکہ اس کے منفی اثرات بچے پر مختلف صورتوں میں مرتب ہوں گے۔ اور سب سے خطرناک پہلو اس کا یہ ہے کہ یہ رویہ یا تو بچپن میں یا تو آئندہ زندگی میں کسی مرحلے پر اس کے اندر جرم، گناہ یا خوف کی نفسیات کو جنم دے گا۔

یہاں خصوصاً ماؤں کے ایک رویے کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بعض مائیں اپنی خانگی، ازدواجی اور مالی کلفتوں کی بھڑاس نکالنے کی غرض سے بھی بچوں کو زدوکوب کرتی ہیں اس طرح چھوٹا یا منجھلا بچہ ان کے غیظ وغضب کا نشانہ بنتا ہے۔ اور جب بچے کو رفتہ رفتہ یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس مارپیٹ کا مقصد اس کی اصلاح و بھلائی نہیں بلکہ ماں اپنے غم وغصہ کو ہلکا کرنے کے لئے اسے پیٹ رہی ہے تو اس کے دل میں ماں کے خلاف نفرت کا جذبہ پلنے لگتا ہے اور یہیں سے ماں اور اولاد کے درمیان بے اعتمادی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ گھر کی فضا امن وسکون کے بجائے خوف وذلت کا مسکن بن جاتی ہے اور بچے میں منفی رجحانات پروان چڑھنے لگتے ہیں اور آگے چل کر اس کے نتائج سماج کے حق میں برے ثابت ہوتے ہیں۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر مارپیٹ کا طریقہ غیر موزوں اور مضر ہے تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بچے کی سماجی نشوونما کا بنیادی مقصد اس اطراف وجوانب کے ماحول سے صحت مند طور پر ہم آہنگ کرنا ہے اس لئے ایسا کوئی طریقہ جس میں انسانی سطح پر کوئی رو رعایت نہ کی جائے مستحسن نہیں قرار دیا جائے گا۔ بلکہ ایسا طریقہ اختیار کرنا ہوگا جس میں بچے سے فاصلہ رکھنے اور اس کی غلطیاں تلاش کرنے کے بجائے اس کے ساتھ تعامل وتعاون کا برتاؤ کرکے اس شعور کا ثبوت فراہم کیا جائے کہ بچہ بھی ایک انسانی وجود کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے انسانی حقوق کا تحفظ ہم پر اسی طرح لازم ہے جیسے کسی بالغ فرد کا۔ اس لئے قوم پر اس کے جذبات، اس کی ضروریات اور اس کی مشکلات کو ہمدردی اور درد مندی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہر وقت باقی رہے گی۔

> بعض مائیں اپنی خانگی، ازدواجی اور مالی کلفتوں کی بھڑاس نکالنے کی غرض سے بھی بچوں کو زدوکوب کرتی ہیں اس طرح چھوٹا یا منجھلا بچہ ان کے غیظ وغضب کا نشانہ بنتا ہے۔ اور جب بچے کو رفتہ رفتہ یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس مارپیٹ کا مقصد اس کی اصلاح و بھلائی نہیں بلکہ ماں اپنے غم وغصہ کو ہلکا کرنے کے لئے اسے پیٹ رہی ہے تو اس کے دل میں ماں کے خلاف نفرت کا جذبہ پلنے لگتا ہے اور یہیں سے ماں اور اولاد کے درمیان بے اعتمادی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

زن و شوہر کی مشترکہ تجارت میں بیوی کی حیثیت کیا ہے؟

مرد کے دستخط شدہ دستاویز کی مانند عورت کا دستخط شدہ دستاویز بھی قابل قبول ہے

سوال: اسلام میں شوہر اور بیوی کی خاندانی ذمہ داریوں کی کیا حیثیت ہے کیا بیوی کسی فرم میں پارٹنر بن سکتی ہے اور اپنے نام سے کاغذات پر دستخط کرسکتی ہے۔ اگر وہ دیوالیہ ہوجائے تو کیا اس کے ذاتی قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری اس کے شوہر پر عائد ہوگی؟

جواب: غالباً کسی نظریے یا فلسفے میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو اسے اسلام نے عطا کیا ہے۔ یہ بات آج ترقی یافتہ معاشروں میں عورت کی حالت کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر کہی جاسکتی ہے۔

اسلام ہر اعتبار سے عورت کو مرد کے مساوی درجہ دینے کا حامی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض معاملات زندگی میں عورتوں پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں لیکن اس کا تعلق زندگی میں ان کے کردار اور ذمہ داریوں سے ہے نہ کہ حیثیت اور عہدے سے۔ اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی مساوی درجہ کی بہنیں ہیں جن کے فرائض اور حقوق دونوں ہر یکساں ہیں اور اس سے کسی کو انکار ممکن نہیں۔ رسول اکرم صلعم کے زمانے میں یہ بات لوگ بخوبی سمجھتے تھے اور آپ صلعم کے صحابہ اس اصول پر عمل پیرا رہے۔ اسلام جب تک ضابطہ حیات بنا رہا اس وقت تک اس اصول کو بھی بلا نزاع نفاذ رہا۔ دنیا کی تہذیبوں کی تاریخ کا خاصہ رہا کہ جب وہ تنزلی کی طرح مائل ہوئیں تو ان میں عورتوں کی حیثیت بتدریج گرتی گئی۔ مرد اور عورت کے درمیان مساوات کا ایک اہم میلان یہ ہے کہ تمام معاملات میں خواہ وہ مذہبی امور اور فرائض سے متعلق ہوں یا دنیوی سماجی اور مادی معاملات سے انہیں مکمل آزادی حاصل ہے۔ مذہبی امور وفرائض کے ترک کرنے یا ان سے غفلت برتنے پر عورت کی گرفت بھی اللہ کے یہاں اسی طرح ہونی چاہئے جیسے کہ مرد کی۔

شادی ہوجانے کے بعد مسلمان عورت کی آزادانہ حیثیت برقرار رہتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کا ایک جزیا اس کی توسیع بن کر نہیں رہ جاتی۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ شوہر کے بجائے اپنے والد کا نام لگائے رکھے اور اپنی ذمہ داریوں کو اپنے شوہر کے اضافی بوجھ بنانے کے بجائے انہیں خود پورا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مسلمان کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورت کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔

مسلمان عورت کو وقت ضرورت کوئی فیصلہ اور اقدام کرنے کی آزادی اس طرح ہے جیسے کہ مرد کو اور وہ یکساں طور پر قابل تسلیم ہے۔ اگر مرد کا دستخط شدہ دستاویز قابل تسلیم ہے تو عورت کا دستخط شدہ دستاویز بھی قابل قبول ہے۔ اگر وہ دستاویز کسی تجارتی معاہدے سے متعلق ہے تو دستخط کنندگان کو حاصل اختیارات اور اس کے قانونی مطالبات کی رو سے اس کی پابندی ان پر لازم ہے۔ اگر عورت کسی فرم میں پارٹنر ہے تو فرم کے وضع کردہ ضوابط اور اس کے اختیار کردہ طریقہ عمل کی روشنی میں وہ کوئی فیصلہ یا اقدام کر سکتی ہے۔

تجارتی سطح پر اگر کسی عورت کی طرف سے کیا ہوا کوئی فیصلہ یا اقدام اسے کسی مشکل میں مبتلا کر دیتا ہے تو ایسی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کی ذمہ داری خالصتاً اسی کی ہے عین اسی طرح جیسے اس کی جگہ پر کوئی مرد ہوتا تو اپنے فیصلہ کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی صورت حال کا مقابلہ اپنی ذاتی سطح پر کرتا۔ اگر کوئی ذاتی قرضہ اس عورت کی طرف واجب ہوتا ہے تو اس کی ادائیگی اسے ہی کرنی ہے۔ اگر اس کی تجارت دیوالیہ ہو جاتی ہے تو اس کے نتائج کا سامنا اسے کرنا ہے نہ کہ اس کے شوہر کو۔ خالصتاً قانونی نقطہ نظر سے اس کی ضمانت کی ذمہ داری اس کے شوہر پر عائد نہیں ہوتی۔ تاہم اس کا شوہر اگر ایسا کرتا ہے تو وہ ایک انسانی ہمدردی کا مظاہرہ ہوگا۔ لیکن جہاں تک قانونی ذمہ داری کا تقاضا ہے تو اس کی حیثیت اور مرد کی حیثیت میں یہاں پر کوئی فرق نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی مسلمان ایک رحمدل اور بااخلاق سپروائزر کی نگرانی میں کام کر رہا ہے تو اس کے تئیں مسلمان کا رویہ کیا ہونا چاہئے۔ اگر سپروائزر کی رحمدلی اور خوش اخلاقی صرف بہتر کام کرانے کے لئے ہو اور اگر بعض اوقات سپروائزر ترش روئی سے پیش آئے تو کیا اس پر مسلمان ملازم کو رد عمل کا اظہار کرنا چاہئے۔ اگر وہ شخص اپنی ضرورت یعنی ملازمت کو برقرار رکھنے کی وجہ سے بے اطمینانی کا اظہار نہ کرسکے تو اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

(مندرجہ بالا دونوں سوال جدہ سے یونعیم نے کئے تھے)

جواب: اول یہ کہ اس سوال کا مقصد واضح نہیں ہے۔ سپروائزر مسلمان ہے یا نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر وہ رحمدل اور خوش اخلاق ہے تو عہدہ میں برتر ہونے کی حیثیت سے بھی وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے تحت کام کرنے والا شخص اسے اور بڑھ کر عزت واحترام دے۔ اگر بالفرض وہ ترش رو اور بد اخلاق ہے تو ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے اس کو احساس ہو کہ اس طرح کے برتاؤ سے کام اطمینان بخش طور پر نہیں ہو پائے گا۔ اگر وہ رحمدلی اور خوش اخلاقی کا معاملہ محض اپنے ماتحتوں سے بہتر کام کرانے کے لئے کر رہا ہے تو بھی وہ حق بجانب ہے مزدور یا ورکر کے

> شادی ہوجانے کے بعد مسلمان عورت کی آزادانہ حیثیت برقرار رہتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کا ایک جزیا اس کی توسیع بن کر نہیں رہ جاتی۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ شوہر کے بجائے اپنے والد کا نام لگائے رکھے

باقی صفحہ ۱۵ پر

بچوں کی سرشت اور عہد طفولیت

ماں اور بچوں کے تعلقات کی عمارت باہمی الفت و محبت کی بنیاد پر قائم ہونی چاہئے

ماہرین علم نفسیات کا کہنا ہے کہ ہماری عملی زندگی کے تمام پہلو طفولت میں پنہاں ہوتے ہیں اور بچے اپنی ماؤں کے مماثل ہوتے ہیں۔ جو اثر ماں کے تعلق کا بچے کے قلب پر پڑتا ہے وہ باپ کے تعلق کا نہیں پڑتا۔ اسی لئے ماہرین ماں اور بچے کے تعلق پر اب زیادہ زور دینے لگے ہیں۔

اگر دونوں کے درمیان دوری ہوگی تو بچے کی شخصیت اس سے متاثر ہوگی اگر ماؤں پر بچوں کے لئے ان کی اہمیت پوری طرح روشن ہوجائے تو وہ ازدواجی اور خاندانی زندگی کو سنوارنے اور بنانے میں کسی طرح کی قباحت وکلفت محسوس نہیں کریں گی اور نہ صرف بچوں کی پرورش بلکہ پوری زندگی کے اعتبار سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں یک گونہ حسن وسرور کا احساس ہوگا۔

بچہ لاشعوری طور پر والدین کی طرف راغب ہوتا ہے اور جو کچھ وہ اس کے فائدے کے لئے کرتے ہیں ان کی بنا پر متوجہ نہیں ہوتا وہ اپنے والدین کی محبت کی تصدیق روز مرہ کی زندگی میں مختلف باتوں سے کرلیتا ہے مثلاً آواز کی نغمگی، لمس کی نرمی اور مسکراہٹ۔ اس تمام تر توجہ اور التفات کی ضرورت بچے کو اس لئے ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی جانب سے انہی باتوں کا اظہار کرے اور گھر میں موجودگی کے دوران والدین کے شانہ بشانہ ان کی طرح ہی برتاؤ سیکھے۔ جب ماں اسے اپنی گود میں لے کر کوئی کہانی سناتی ہے تو اسے ایک طرح کے تحفظ کا احساس ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اس کے لئے کوئی ایسا ہے جس کے بغیر وہ جی نہیں سکتا۔

انسانی سلوک کے بیشتر سماجی مطالعات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب کوئی فرد اپنے والدین سے الگ رہنا شروع کرتا ہے تو خاص طور پر وہی اثرات اس کی شخصیت میں معاون ثابت ہوتے ہیں جو اس نے اپنی ماں سے قبول کئے ہوں اور لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی کا انحصار بھی ان اثرات پر ہی ہوتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ طفولیت کا زمانہ ایسا ہے کہ بچے کا ذہن معاملات کو سمجھنے پر نہ تو قادر ہوتا ہے اور نہ ہی لوگوں کی اسے صحیح پہچان ہوتی ہے لہذا اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ جو شخص اس سے شروع سے بے پناہ محبت کرتا ہو وہ اسے بھی ناپسند کرنے لگے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ بچے کی زندگی کے چند ابتدائی سالوں میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ وہ کس ماحول میں رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ ماں کی قربت حاصل ہو۔ اس لئے یہ جاننا چاہئے کہ جو کام مائیں انجام دے رہی ہیں بچے کے میلانات کے ڈھالنے میں اس کا کتنا اہم مقام ہے کیونکہ بچے کی عقل وفہم کی بنیادیں یہیں سے پڑتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ شروع کے سالوں میں ماں ہمہ وقت بچے کے ہمراہ ہی رہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تعلق کی نوعیت باہمی الفت پر قائم ہو۔

اگر ماؤں پر بچوں کے لئے ان کی اہمیت پوری طرح روشن ہوجائے تو وہ ازدواجی اور خاندانی زندگی کو سنوارنے اور بنانے میں کسی طرح کی قباحت وکلفت محسوس نہیں کریں گی اور نہ صرف بچوں کی پرورش بلکہ پوری زندگی کے اعتبار سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں یک گونہ حسن وسرور کا احساس ہوگا۔

بلا امتیاز مذہب و مکتب فکر ماہرین نفسیات اس نکتہ پر متفق ہیں کہ ابتدائی پانچ سالوں کے درمیان مختصر سی مدت کی ناچاقی یا رشتہ الفت کے تعطل کے نتائج ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں اور چونکہ بچے میں ابھی نطق کی صلاحیت پوری طرح سے پیدا نہیں ہو پاتی ہے اس لئے وہ اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر رہتا ہے اور اس غم و یاس کو بیان نہیں کرسکتا جس میں ماں کی طویل یا مختصر جدائی کے سبب وہ مبتلا رہتا ہے۔ اس کے احساسات کے گھٹ کر رہ جانے کی وجہ سے یاس و قنوطیت کے ہاتھوں اس کے اعصاب میں ایسا تشنج پیدا ہو سکتا ہے جو اسے بغاوت، رونے دھونے اور چیزیں توڑنے پھوڑنے پر اکسائے۔ ایام طفولیت میں بچے اور ماں کے درمیان دوری یا ناچاقی اسے ایسی نفسیاتی الجھنوں اور پریشانیوں میں ڈال دیتی ہے جو آئندہ بھی باقی رہتی ہیں۔

بلا امتیاز مذہب و مکتب فکر ماہرین نفسیات اس نکتہ پر متفق ہیں کہ ابتدائی پانچ سالوں کے درمیان مختصر سی مدت کی ناچاقی یا رشتہ الفت کے تعطل کے نتائج ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں اور چونکہ بچے میں ابھی نطق کی صلاحیت پوری طرح سے پیدا نہیں ہو پاتی ہے اس لئے وہ اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر رہتا ہے اور اس غم و یاس کو بیان نہیں کرسکتا جس میں ماں کی طویل یا مختصر جدائی کے سبب وہ مبتلا رہتا ہے۔ اس کے احساسات کے گھٹ کر رہ جانے کی وجہ سے یاس و قنوطیت کے ہاتھوں اس کے اعصاب میں ایسا تشنج پیدا ہوسکتا ہے جو اسے بغاوت، رونے دھونے اور چیزیں توڑنے پھوڑنے پر اکسائے۔

ماہرین نفسیات کا یہ بھی خیال ہے کہ ماں کے تئیں بچے کے احساسات محبت و نفرت کے امتزاج پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر ماں بچے سے زور زبردستی کرکے اس کی دلچسپی کے کام سے روکے تو فوراً ہی اس بچے کی الفت محبت غیض و غضب کا روپ اختیار کرلیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کی سرشت میں سیمابیت ہوتی ہے یعنی مختلف باتوں کا ان پر ملا جلا رد عمل ہوتا ہے۔ ایک لمحے میں وہ غضبناک ہو جائیں گے تو دوسرے لمحے حد درجہ محبت دکھائیں گے۔ ماں کے تئیں بچے کے احساسات و خیالات دنیا کی سمجھ پیدا کرنے میں بنیاد فراہم کرتے ہیں کیوں کہ یہی زمانہ اس کے ذہن پر نقوش اول کے ثبت ہونے کا ہوتا ہے۔ ■ ■

دوران حمل سگریٹ نوشی سے بچے کی ذکاوت متاثر ہوتی ہے

حال ہی میں شائع ہونے والے ایک طبی مطالعے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن بچوں کی مائیں دوران حمل سگریٹ نوشی کرتی ہیں اور روزانہ دس سگریٹ سے زیادہ پی جاتی ہیں ان کی ذہنی صلاحتیں غیر سگریٹ نوش ماؤں کے بچوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہیں۔ 1979 سے 1983 کے دوران تک تقریبا چار سو خواتین کی کیفیت کا مطالعہ اس غرض سے کیا جاتا رہا ہے کہ ان کے بچوں کی ذکاوت کے تناسب پر سگریٹ نوشی کا کیا اثر پڑ رہا ہے۔

اس مطالعہ کا آخری تنیجہ یہ رہا کہ سگریٹ نوش ماؤں کے بچوں میں ذکاوت کا تناسب غیر سگریٹ نوش ماؤں کے بچوں کے مقابلے میں 9 ڈگری کم ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کتنی مائیں اپنے بچوں کے صحت مند مستقبل کی خاطر سگریٹ نوشی کے اس بظاہر رومانٹک اور دلکش لیکن درحقیقت مہلک شوق سے دست بردار ہوتی ہیں۔

اس مطالعہ کا آخری تنیجہ یہ رہا کہ سگریٹ نوش ماؤں کے بچوں میں ذکاوت کا تناسب غیر سگریٹ نوش ماؤں کے بچوں کے مقابلے میں 9 ڈگری کم ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کتنی مائیں اپنے بچوں کے صحت مند مستقبل کی خاطر سگریٹ نوشی کے اس بظاہر رومانٹک اور دلکش لیکن درحقیقت مہلک شوق سے دست بردار ہوتی ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک اخبار نے جس نے مذکورہ مطالعہ اور سروے کے حوالے سے یہ رپورٹ شائع کی اس کے ساتھ کسی خاتون کی جگہ سگریٹ پیتے ہوئے بوڑھے کسان کی تصویر لگادی ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ چند شمارے قبل ہم نے ایک بلا کی سگریٹ نوش امریکی خاتون کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی تھی جو اوسطاً ایک منٹ میں ایک سگریٹ پیتی ہے اور یہ عمل سونے کے دوران بھی بار بار اٹھ کر جاری رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کی انتہائی جبلتوں کی مثالیں اور بھی موجود ہوں جو اخباروں تک نہیں پہنچ پاتیں۔ اول تو اس میں ہی شک ہے کہ ایسی خواتین کو اس قدر سگریٹ نوشی نے امومت کے قابل چھوڑا ہوگا۔ اور اگر وہ زندگی میں کبھی اس تجربے سے گزریں تو ان کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ذکاوت کے مذکورہ تناسب کے اعتبار سے کس معیار پر رکھا جائے گا۔ یقیناً اس میں ذکاوت کا دس فیصد حصہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ آج کے ترقی یافتہ معاشرہ کے سامنے یہ ایک اہم سوال ہے کہ ایسی مائیں فہم وذکاوت سے عاری بچوں کی صورت میں معاشرہ کو کیا دے رہی ہیں۔ ■ ■

آگ صرف باہری ہی نہیں لگی ہے بلکہ سراجیو کی روح بھی سلگ رہی ہے

یوگوسلاویہ میں جنگ کے محرکات و عوامل پر تین کتابوں کا جائزہ

کروشیا اور اس کے بعد بوسنیا میں بمباری، آتش زنی اور قتل کے واقعات قارئین کو حیرت زدہ کرنے سے کہیں زیادہ ذہنی الجھن میں بتلا کرتے ہیں اس لئے کہ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ پڑوسیوں کے درمیان ایسی خونریزی کیونکر ممکن ہے۔ اس سوال کا جواب مختلف سطحوں پر حال ہی میں منظر عام پر آنے والی تین کتابوں میں مل جائے گا جو ایک دوسرے کے تکملہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے مصنفین نے ان رموز پر سے پردہ اٹھایا ہے کہ یوگوسلاویہ میں جنگ کا آغاز کیسے ہوا اور اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں اور یوگوسلاویہ کے لوگوں نے

"دی امپاسیبل کنٹری۔ اے جرنی تھرو دی لاسٹ ڈیز آف یوگوسلاویہ کے مصنف برائن ہال نے یوگوسلاویہ" کا نقشہ پیش کیا ہے جہاں دو لاکھ افراد موت کی نیند سلادیئے گئے اور بیس لاکھ لوگ بے گھر ہوگئے اور یہ سوال ذہنوں پر کچوکے لگاتا ہے کہ جنگ سے پہلے یوگوسلاویہ کیسا رہا ہوگا۔

ایک دوسرے کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے پیچھے کیا عوامل تھے۔

"دی امپاسیبل کنٹری۔ اے جرنی تھرو دی لاسٹ ڈیز آف یوگوسلاویہ کے مصنف برائن ہال نے یوگوسلاویہ" کا نقشہ پیش کیا ہے جہاں دو لاکھ افراد موت کی نیند سلادیئے گئے اور بیس لاکھ لوگ بے گھر ہوگئے اور یہ سوال ذہنوں پر کچوکے لگاتا ہے کہ جنگ سے پہلے یوگوسلاویہ کیسا رہا ہوگا۔ انہوں نے بلغراد میں ایک نازی قتل گاہ سے ملحق میوزیم کی دیوار پر کیمپ ریکارڈ کی فوٹو کاپیوں کا بغور مطالعہ کیا جہاں میوزیم کے نگراں نے ہر قیدی کی تفصیلات درج کررکھی تھیں کہ کب وہ داخل ہوا اور کب اسے قید حیات سے آزاد کیا گیا۔ ہال کا کہنا ہے کہ آخری اندراج کا نمبر 23233 تھا جب کہ کیمپ میں زندہ بچ رہنے والوں کی تیار کردہ ایک تختی کے مطابق یہ تعداد چالیس ہزار تھی۔ دوسری جانب میوزیم سے متعلق طبع شدہ معلوماتی کتابچے میں یہ تعداد 80 دکھائی گئی تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ برائن ہال یوگوسلاویہ کی صورت حال کا مشاہدہ کرنے والے پہلے شخص ہیں۔ البتہ ان کے مشاہدات اس بناء پر وقیع قرار پاتے ہیں کہ کروشیائی، سربیائی اور مسلم باشندوں سے گفتگو اور تبادلہ خیال کی روشنی میں ہی وہ کوئی تقسیم پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سربیائی شناساؤں سے گفتگو کے دوران جب انہیں بارہا یاد دہانی کرائی گئی کہ قومی المیہ کی نشانیوں سے داغدار جگہوں کا معائنہ کیے بغیر وہ ان کے جذبات کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے تو انہیں اندازہ ہوا کہ سربیائی ذہنوں پر تاریخ کا خود پسندانہ تصور غالب ہے۔

بوسنیا اور وہاں کے مسلمانوں کے بارے میں لکھتے ہوئے ہال اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسجد کے نام سے انہیں خوف آیا تھا۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ مذہبی اور ثقافتی روایت کے درمیان باہمی ربط ہم آہنگی اور وجود باہم کی علامت ہے یا اس سے نفرت اور بے اعتمادی کو ہوا ملتی ہے۔ ان کے سراجیو مسلم دوست مائیکل اور کروشیائی میروسلاف دونوں ہی خود کو بوسنیائی کہتے ہیں لیکن ہال کو حیرت اس بات پر ہے کہ اس سے ان کی مراد کیا ہے۔

نیجامن کے مطابق "ہماری مشترکہ خصوصیات ہی ہمارے اختلافات کا سبب ہیں"

میرسلاف کا بیان ہے کہ "زاغریب یوگوسلاویہ کا دماغ ہے کیونکہ یہاں یونیورسٹی اور تعلیمی ادارے ہیں بلغراد اس کا قلب ہے لیکن سراجیو روح ہے۔ سربیائی اور کروشیائی قوم پرست عناصر جو یہ دعوی کرتے رہے ہیں کہ بوسنیا کو سربیا اور کروشیا کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے ان کا کہنا ہے کہ ہمہ رنگ بوسنیائی شناخت کا تصور محض ایک افسانہ ہے جسے ان مسلمانوں نے تقویت دی ہے جن کا خیال ہے کہ وہ بوسنیائی حکومت پر غالب رہیں گے۔

دوسری کتاب "بوسنیا اے شارٹ ہسٹری" میں نوئل مالکوم نے اس تصور کو چیلنج کیا ہے۔ بوسنیائی جنگ آزادی کا انحصار اس دلیل پر ہے کہ بوسنیا ہی وہ جگہ ہے جس کی اپنی کوئی تاریخ ہے اور جو اپنی ریاستی حیثیت کے لئے اپنے دعوے میں برحق ہے۔ قدیم سلاوک آبادیوں اور ترکی و آسٹرو ہنگریائی تسلط کی روشنی میں مالکوم نے بوسنیا کے استثنائی معاملے کا جائزہ لیا ہے۔ اس ضمن میں ان کا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے بوسنیا میں سرب، مسلم اور کروشیائیوں کے درمیان نسلی تقسیم

یہ غیر منصفانہ اقدامات کیا ہوسکتے تھے اس پر برطانوی صحافی ایڈ ولیامی نے اپنی کتاب "سیزنس ان ہل" میں روشنی ڈالی ہے جو جنگ کے دوران "گارجیئن" میں شائع رپورٹوں پر مشتمل ہے۔ ان کا بنیادی مقصد سربیائی قوم پرست فوجیوں کے ہاتھوں قتل وغارت گری کے ارتکاب کو طشت ازبام کرنا ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنے مفتوحہ علاقہ کو غیر سربیائی آبادی سے پاک کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

کے تصور کی اصلی شکل کو بے نقاب کردیا ہے۔ اس کی وضاحت میں وہ کہتے ہیں کہ بوسنیا میں علاحدہ سرب یا کروشیائی قومیں کبھی آباد نہیں رہیں بلکہ سلاو مسلمانوں کی طرح وہاں سلاو شدت پسند اور سلاو کیتھولک رہتے تھے اور وہ سب خود کو بوسنیائی کہتے تھے جو بوسنیا میں موجود مذہبی فرقوں کے درمیان تصادم اور اختلافات کی تاریخ کے بھی منکر نہیں ہیں اس خیال کے حامی ہیں کہ ان فرقوں کے درمیان جذبہ عداوت کو تشدد کی شکل دینے میں بوسنیائی سرحدوں کے باہر سے پڑنے والے دباؤ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ کٹر شدت پسند اور کیتھولک عیسائی اور مسلمان اسی حد تک ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور مربوط تھے کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا جاسکتا تھا تو کسی حیرت ناک اور غیر منصفانہ اقدام کے ذریعہ ہی یہ ممکن تھا۔

یہ غیر منصفانہ اقدامات کیا ہوسکتے تھے اس پر برطانوی صحافی ایڈ ولیامی نے اپنی کتاب "سیزنس ان ہل" میں روشنی ڈالی ہے جو جنگ کے دوران "گارجیئن" میں شائع رپورٹوں پر مشتمل ہے۔ ان کا بنیادی مقصد سربیائی قوم پرست فوجیوں کے ہاتھوں قتل وغارت گری کے ارتکاب کو طشت ازبام کرنا ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنے مفتوحہ علاقہ کو غیر سربیائی آبادی سے پاک کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ولیامی پہلے اخباری نمائندے ہیں جنہوں نے بوسنیا میں سربیائی کیمپوں کا دورہ کرکے ہزاروں مسلم باشندوں کو قیدیوں کی زندگی گزارتے دیکھا اور جنہیں نہ جانے کیسی کربناک اذیتوں سے گزرنا پڑا ہو۔

THE IMPOSSIBLE COUNTRY
A Journey Through The last Days of Yugoslavia
By Brian Hall
David R. Godine, 335 pp
BOSNIA
A SHORT HISTORY
By Noel Malcolm
New York University, 340 pp
SEASONS IN HELL
Understanding Bosnia's War
By ED Vulliamy
St. Martins, 370 pp

فواز ترکی نے امریکی شہریت کیوں اختیار کی؟

پناہ گزیں کیمپوں میں رہنے والے ایک سابق فلسطینی کے تلخ تجربات

مغربی ایشیا میں کچھ وقت جسے بھی گزارا ہو وہ فواز ترکی کی خود نوشت سوانح میں بیان کردہ مقامات اور مناظر سے ضرور مانوس ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس کا سابقہ ہزاروں مرحلوں سے پڑا ہو لیکن ان میں ایک بھی ایسا شاید نہ ملے جس کے تجربات یا فلسطینیوں کی ابتر حالت کے بارے میں جس کے خیالات ترکی کے زاویہ نگاہ سے مطابقت رکھتے ہوں۔ فواز ترکی فلسطینی کی حیثیت سے حیفہ میں پیدا ہوا۔ 1948 میں اسرائیل کے وجود میں آنے کے ساتھ وہ بچپن میں اپنے خاندان کے ہمراہ بیروت کے ایک پناہ گزین کیمپ میں رہنے لگا۔ لیکن دو نسلوں سے جلا وطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور فلسطینیوں کے اس

فلسطین واپس پہنچ کر اسے اپنے وطن میں ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ حیفہ میں اس کے آبائی مکان پر مشرقی یوروپ کے یہودیوں کا قبضہ ہے بلکہ اپنوں میں رہ کے بیگانہ پن اسے اس بناء پر محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ آزاد خیال ونظریات کا حامل ایک امریکی شہری ہے۔ امریکی پاسپورٹ کا مالک ہونے کی بناء پر اسے یہ موقع نصیب ہوا کہ وہ اپنے وطن کی زیارت کرسکے اور یہ ایسی سعادت تھی کہ عام فلسطینی جس کا صرف خواب ہی دیکھ سکتے ہیں۔

کیمپ سے فرار ہونے میں وہ کامیاب ہوگیا۔ آسٹریلیا میں اس نے زرعی مزدوروں کی حیثیت سے کام کیا اور تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ ایک یہودی عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کی جس سے اس کی ایک بیٹی بھی ہوئی۔ ایشیا، یورپ اور واشنگٹن میں منشیات کے عادی ہو انگلول کے بھیس میں وہ جا بجا گھومتا رہا۔ کبھی فلسطینی تحریک میں کام کیا تو کبھی امریکی شہری بن گیا اور آخر کار پورے چالیس سال بعد اپنے وطن فلسطین واپس آیا۔ آکزائلس ریٹرن میں اسی جہاں گردی اور آوارگی کی داستان بیان کی گئی ہے۔

فلسطین واپس پہنچ کر اسے اپنے وطن میں ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ حیفہ میں اس کے آبائی مکان پر مشرقی یوروپ کے یہودیوں کا قبضہ ہے بلکہ اپنوں میں رہ کے بیگانہ پن اسے اس بناء پر محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ آزاد خیال ونظریات کا حامل ایک امریکی شہری ہے۔ امریکی پاسپورٹ کا مالک ہونے کی بناء پر اسے یہ موقع نصیب ہوا کہ وہ اپنے وطن کی زیارت کرسکے اور یہ ایسی سعادت تھی کہ عام فلسطینی جس کا صرف خواب ہی دیکھ سکتے ہیں۔ تاہم اس نے اس سفر کے لئے کسی مناسب وقت کا انتخاب نہیں کیا تھا یعنی کہ دسمبر 1990 میں جب خلیج کی جنگ کی وجہ سے اکا دکا لوگ ہی اسرائیل کا رخ کر رہے تھے اور مغربی کنارے کا علاقہ انتفاضہ کی سرگرمیوں کی گرفت میں تھا۔

کتاب کا بہترین حصہ وہ ہے جس میں فلسطینیوں سے گفتگو ان کی تشنہ آرزوؤں اور رملہ میں اس کے اسرائیلی قبضہ کے تجربے کا ذکر کیا گیا ہے۔ حماس کے انتہا پسندوں سے تصادم کی روداد بھی رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔ فلسطینیوں کی زندگی کا اندازہ ترکی کو اس وقت ہوتا ہے جب نصف شب میں پولس رملہ میں واقع اس کی رہائش پر حملہ آور ہوتی ہے۔ گویا کہ وطن کی طرف ایک بے وطن کی واپسی تو ضرور ہوئی لیکن یہ واپسی تلخ تجربات سے عبارت ہے جہاں مصنف اپنے وجود اور اس کی شناخت کے معمے میں الجھا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ کیمپ کی زندگی کا پروردہ وہ فلسطینی ہے جس کے باپ نے رسوائی اور ندامت کے احساس سے دم توڑ دیا اور جس کی بہن کو خود اس کے ایک بھائی نے کسی لڑکے سے ناجائز تعلقات سے خاندان کے وقار کو داغدار کرنے کی پاداش میں مار ڈالا تھا۔ لیکن کچھ بھی ہو وہ امریکی ہے جس کی نظر میں اپنے سابق خاندان کے لئے ہمدردی کے بجائے نفرت وحقارت ہے۔ ہر چند کہ اس نے واضح الفاظ میں اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔ یہ بات صاف جھلکتی ہے کہ اس کی بہن کی موت نے اسے اپنی اصل سے کٹنے پر اکسایا۔ اسے

امن معاہدے سے پہلے اسرائیلی فوج سے نبرد آزما فلسطینی نوجوان

اب یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی کہ "فلسطینیوں کی طرح میں اب غصے سے بے قابو نہیں ہوتا" اس کے نزدیک عرب انٹلکچول صرف دیکھنے ہی میں مہذب اور ترقی یافتہ ہیں اور اندر سے دم گھونٹنے والی روایت اور بے جان خیالات کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور یہی نیم پسماندی خصوصا عرب سیاست اور عموما پی ایل او پر طاری بھونڈے پن کا اصل سبب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کتاب میں اسرائیل کو جا بجا تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور کمزور عوام کے تئیں ہمدردی کا اظہار بھی ہے لیکن یہ کہنا دشوار ہوگا کہ اس کتاب کو پڑھ کر بہت سے عرب قارئین کو لطف آئیگا کیونکہ کتاب کے ایک حصے میں جنسی معاملات پر قید وبند کا ذکر بیشتر لوگوں کو گراں گزریگا۔

Exiles Return
The Making of a Palestinian American
By Fawaz Turki
Free Press, 247 pp

Invitation Price Rs. 4/-
16 - 28 February, 1995

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

زندگی کی قیمت

ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے جب ہرشد مہتہ نے تمسکاتی گھپلوں کے سلسلے میں وزیر اعظم نرسمہاراؤ پر ایک کروڑ روپے کی ادائیگی کا الزام لگایا تھا۔ ہرشد کا کہنا تھا کہ اس نے یہ رقم در اصل وزیر اعظم کو انتخابی فنڈ کے لئے اعانت کے طور پر دی تھی جس کا مقصد دراصل ان کا منہ بند کرنا تھا۔ ہرشد کا الزام ثابت ہو سکا ہو یا نہیں البتہ بہت دنوں تک اخبارات میں اس بڑے سوٹ کیس کا ذکر ضرور رہا جس میں بقول ہرشد مہتہ کے وہ ایک کروڑ روپے بھر کر وزیر اعظم کو دے آئے تھے۔ تب لوگوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ اتنا بڑا سا سوٹ کیس اور اس میں اتنا بہت سا روپیہ۔ تب ایک شام پڑوس کا بچہ مجھ سے کہنے آیا کہ انکل آخر اتنے بہت سے روپیوں کا لوگ کرتے کیا ہوں گے؟

لیکن اب اس کا کیا کیا جائے کہ ابھی حال ہی میں ہالی ووڈ کی ایک اداکارہ ماریسا ٹومی نے اپنی ملازمت کو صرف اس لئے خیر باد کہہ دیا کہ اسے اس کی مطلوبہ تنخواہ پانچ ملین ڈالر نہ مل سکی ٹومی کا کہنا ہے کہ پانچ ملین ڈالر سے کم پر اب اس کے لئے گزر بسر کرنا مشکل ہے اور اس لئے وہ اس سے کم پر کسی فلم میں کام نہیں کر سکتی۔ پانچ ملین ڈالر کا سیدھا سا مطلب ہے کہ نرسمہا راؤ کے سوٹ کیس سے بھی کہیں زیادہ بہت سے روپے یعنی اس جیسے کوئی دو سوٹ کیس جس میں ایک تو مکمل بھرا ہو اور دوسرا تھوڑا سا خالی رہ گیا ہو۔ ٹومی کا یہ بھی خیال ہے کہ میری یہ تنخواہ ہالی ووڈ کی دوسری اداکاراؤں کے مقابلے میں پھر بھی کم ہو گئی کہ ککلن کو اس وقت آٹھ ملین ڈالر اور اسٹون کو سات ملین ڈالر مل رہے ہیں، پھر خود اس کے اندر ان دونوں کے مقابلے میں صلاحیت کم تو نہیں۔

لیکن یہ تو تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ ٹومی در اصل مستقبل کے خوف میں بستلا ہے۔ دبے لفظوں میں ہی سہی وہ اس بات کا اظہار بھی کرتی ہے کہ ہالی ووڈ میں اس کا کریز تاحیات تو برقرار نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ کیوں نہ اپنے مستقبل کے لئے بہت سی دولت اکٹھا کر لے۔ آج جب اس کی جاذبیت باقی ہے وہ اپنی اداؤں سے زیادہ سے زیادہ پیسہ اکٹھا کر سکتی ہے لیکن کل تنگ و تاریک ویران سی زندگی میں جب اس کے دوست احباب ساتھ چھوڑ دیں گے اور جب فلموں کی دنیا میں کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا تب وہ گزر بسر کیسے کر پائے گی۔

لیکن ان ساری احتیاطی تدابیر کے باوجود ٹومی کا خوف ہے کہ ختم نہیں ہوتا کہ اس رنگ و نور کی دنیا میں اس نے ان لوگوں کو بھی دیکھا ہے جنھوں نے ایک ایک فلم کے ذیعہ دو دو سو ملین ڈالر بنائے لیکن جن کی زندگی بڑی عبرت ناک گزری۔ مستقبل پریشان حال، سکون سے خالی اور ایک افسردہ اور بجھتی ہوئی شمع سے عبارت رہی۔

پھر نہ جانے کیوں بار بار ٹومی کے دل میں یہ خیال بھی آتا ہو گا کہ زندگی کی قیمت محض چند ملین ڈالر تو نہیں کہ زندگی صرف ایک بار جینے کو ملتی ہے اور اسے اگر چند ملین ڈالر کے عوض بیچ دیا جائے تو اسے فائدے کا سودا شاید نہیں کہا جا سکتا۔ ٹومی کو شاید یہ بات نہ معلوم ہو لیکن ہم مسلمان تو اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ زندگی کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ہم نے مومنین کی زندگی جنت کے بدلے خرید لی ہے۔

بھلا زندگی کی اس سے بہتر قیمت اور کہاں مل سکتی ہے۔